عفت سحر پاشا

دھواں دھواں شہر

digest library.com

تم میری آنکھ کے تیور نہ بھلا پاؤ گے
ان کہی بات کو سمجھو گے تو یاد آؤں گا
آج محفل یاراں پہ ہو مغرور بہت
جب کبھی ٹوٹ کے بکھرو گے تو یاد آؤں گا

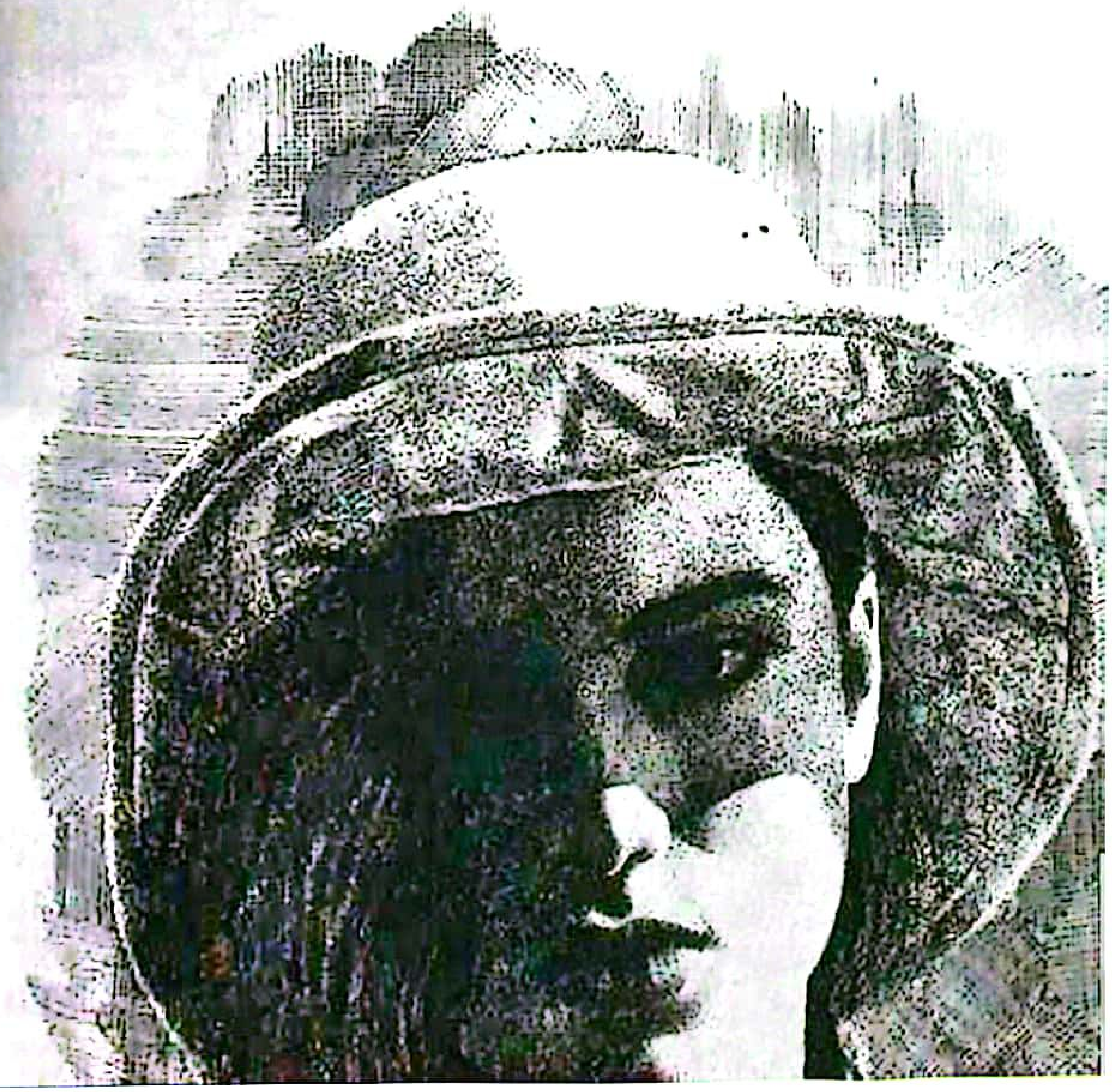

"بلو۔۔۔ او بلو۔۔۔ نامراد اتر آ اب کوٹھے سے ابھی تیرا ابا اور بھیا آجائیں گے تو رولا ڈال دیں گے۔"

وہ بڑی مگن ہو کر شادو کی مزیدار باتیں سن رہی تھی۔ چھت کی سانجھی دیوار سے لٹک کر اپنی عزیز سہیلی سے باتیں کرنا اسے ہمیشہ بہت اچھا لگتا تھا۔ حالانکہ اسی چکر میں اسے روزانہ اچھی خاصی ڈانٹ پڑتی تھی۔ مگر بچپن سے لے کر اب تک اس کی یہ عادت پکی ہو چکی تھی۔ اب بھی اماں کی پکار پر اس نے ناگواری سے سیڑھیوں کی جانب دیکھا تھا۔

"ہائے او ربا۔۔۔ جب بھی شادو تیری باتوں کا سواد آنے لگتا ہے اماں اپنا رولا ڈال دیتی ہے۔" وہ سخت بدمزہ ہو گئی۔ شادو اپنے منگیتر سے ہونے والی ملاقات کا قصہ بہت بڑھا چڑھا کر سنا رہی تھی۔ وہ ہنس دی۔

"اب جا سویرے آؤں گی تیری طرف۔"

شادو نے بالٹی اٹھائی اور اپنی سیڑھیاں اتر گئی۔ بلو بہت گہری سانس لے کر دیوار سے اتری تھی۔

اماں کی صلواتیں ابھی تک جاری تھیں۔ سیڑھیوں پر بلو کی شکل نظر آتے ہی ان میں تیزی آگئی۔

"میں کہتی ہوں شادو سے گپیں لگائے بغیر تیری روٹی ہضم نہیں ہوتی، سارے دن ادھر سے ادھر کد کڑے لگاتی پھرتی ہو دونوں۔ پھر بھی تمہاری باتیں ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں۔"

"کیا ہے اماں۔۔۔ تو بس یونہی مجھے جھڑکتی رہتی ہے۔ میں کب ادھر ادھر کد کڑے لگاتی ہوں۔" اس نے احتجاج کیا جو کہ آدھا سچ تھا۔

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ میں جھوٹ بولتی ہوں نا۔۔۔ اور وہ جو آدھی رات تک کوٹھے پر بیٹھ کے پتا نہیں کون سی ہیر سناتی رہتی ہو اک دوجے کو وہ۔۔۔"

وہ پیڑھی چولہے کے آگے کھینچ کر لکڑیوں پر مٹی کا تیل ڈالنے لگی اس کے چہرے پر جھنجلاہٹ تھی۔

"تو کیا ہوا اماں۔۔۔ شادو منڈا تو نہیں کڑی ہے میری سہیلی ہے۔"

اس کی بات پر اماں کو پتنگے لگ گئے۔

"آہائے۔۔۔ کتنی منہ پھٹ ہوئی ہے تو بلو۔۔۔ نہ کوئی شرم ہے نہ حیا، زبان بہت لمبی ہو گئی ہے تیری۔"

وہ کڑھتی ہوئی آگ کے بلند ہوتے شعلوں پر توا رکھنے لگی۔ ابا اور بڑے بھیا کے آنے کا ٹائم ہو رہا تھا۔

"میں نے کتنی بار تجھے منع کیا ہے کہ شام کے وقت چھت پر نہ چڑھا کر مگر تیرے دماغ میں میری باتیں ٹکتی نہیں ہیں۔ ہر وقت شادو۔۔۔ شادو۔۔۔"

لگ رہا تھا کہ اماں کو کچھ زیادہ ہی غصہ ہے۔ اب کی بار وہ بھی تپ اٹھی۔

"اور گھر کے کام کون کرتا ہے۔ سارا دن جمعداروں کی طرح لگی رہتی ہوں۔ تین وقت کا کھانا بناتی ہوں پھر بھی تجھے میرا کام دکھائی نہیں دیتا۔"

"احسان تو نہیں کرتی تو ہم پر۔۔۔ میں کہتی ہوں اتنی دیر سے میں آوازیں دے رہی ہوں، مجال ہے جو بلو رانی کے کان پر جوں بھی رینگی ہو۔"

وہ جانتی تھی کہ اماں اب اپنی مرضی سے ہی چپ ہو گی اس لیے پرات گھسیٹ کر وہ روٹیاں بنانے لگی۔ اس کے نقوش تنے ہوئے تھے۔ صاف لگ رہا تھا کہ اسے اماں کی یہ خوامخواہ کی بحث پسند نہیں آئی۔ پہلے جب وہ چپڑ چپڑ جواب دے رہی تھی تب بھی اماں کو تپ چڑھ رہا تھا۔ اب جب وہ خاموشی سے روٹیاں بنا رہی تھی تب بھی وہ چڑ گئی۔

"میں کیا کہہ رہی ہوں۔ کچھ پلے پڑا کہ نہیں؟"

"اچھا اماں، اب رہن دے۔ فیر میں کچھ بولوں گی تو تجھے تپ چڑھے گا۔" وہ جھنجلا کر بولی۔ تو اماں نے دانت پیسے۔

"آ لینے دے تیرے ابے کو، تیری گت نہ کھنچوائی تو نام بدل دینا میرا۔" یہ اماں کی مخصوص دھمکی تھی۔ مگر بلو اس سے قطعی ہراساں نہیں ہوئی تھی کیونکہ اس کی خوش قسمتی کہ اس کا باپ اور بھائی دونوں ہی اسے کچھ نہیں کہتے تھے۔ زیادہ لاڈ تو نہیں کرتے تھے مگر سختی بھی مفقود تھی۔ ہاں ڈانٹ ضرور پڑتی تھی۔

"اچھا لگا لینا شکایت۔۔۔ تیری تو عادت بن گئی ہے؟"

اب۔" وہ چڑ گئی تو اماں نے جھنک کر اپنی جوتی اٹھائی اور اس کی پشت پر دے ماری۔ جو اس کے شانے کو چھو گئی۔

"کمینی۔۔۔ بکواس کرتی ہے میرے ساتھ۔۔۔"

"تو پھر نہ بات کر، اگر بری لگتی ہے تو۔" وہ اپنا کندھا سہلاتے ہوئے چیخی۔ اس سے پہلے کہ اماں مزید اس کی گوشمالی کرتی ابا اور بڑے بھیا آگے پیچھے اندر داخل ہوئے تھے۔

"السلام علیکم۔۔۔"

"وعلیکم۔۔۔" اماں بے زاری میں بولی۔

"پک گئی روٹی۔۔۔؟" بھائی نلکے کی طرف بڑھتا بلو سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں بھا جی۔۔۔" وہ پھونکیں مار کر آگ تیز کرنے لگی۔

"شکر ہے پک گئی' ورنہ اسے شادو سے بات کرنے سے فرصت ملے تو تب ہے نا۔۔۔" اماں نے شکایت لگانے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ انہیں لڑکیوں کا بے جا ہنسی ٹھٹھول اور گھر گھر پھرنا پسند نہیں تھا۔

"دیکھ لے ابا۔" سارے گھر کے کام کرتی ہوں۔ اس کے بعد بھوری کو چارہ بھی میں ڈالتی ہوں' دودھ نکالتی ہوں۔ تو کیا تھوڑی دیر اپنی سہیلیوں سے بات بھی نہیں کر سکتی ہوں۔" بلو کی آنکھیں فوراً پانیوں سے لبریز ہو گئی تھیں۔ ابا اور بڑے بھیا کو موم کرنے کا ایک ہی طریقہ تھا۔ نتیجہ حسب توقع تھا۔

بڑا بھیا اپنے شانے پر پڑے کپڑے سے ہاتھ پونچھتا چوکی گھسیٹ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ بلو نے سالن اور چنگیر میں روٹی اس کے سامنے رکھی۔

"چل خیر ہے اماں۔۔۔ سارے کام تو کرتی ہے نا۔ جس دن اس طرف سے تجھے شکایت ہو تب مجھے بتانا۔"

"پر مجھے کڑی ذات کا یوں پورے پنڈ میں دندناتے پھرنا زہر لگتا ہے۔ اس کی سہیلیاں ہر وقت کھی کھی کرتی پھرتی ہیں۔"

اماں ناگواری سے بولیں۔ بلو دل ہی دل میں تلملاتی ہوئی ابا کو روٹی دے رہی تھی۔

"چل کوئی گل نہیں۔۔۔ بچپنا ہے ابھی ٹھیک ہو جائے گی۔" ابا نے اکتا کر کہا تھا۔ اور ساتھ ہی اپنا پسندیدہ حکم جاری کیا۔

"بلو حقے کی چلم گرم کر دینا۔"

"اچھا ابا۔۔۔" بلو نے پیار سے اپنے ابا کو دیکھا۔ جو اس کی شکایتوں پر کم ہی کان دھرتا تھا۔

"وہ اندر جا کر حقہ اٹھا لائی اور چلم اتار کر چولہے کے پاس بیٹھ کر چمٹے کے ساتھ سلگتے ہوئے کوئلے تمباکو اور گڑ کے اوپر ڈالنے لگی۔ ماحول اب پر سکون سا ہو گیا تھا۔

☆ ۔۔۔ ❖ ۔۔۔ ☆

"اس کی صبح بہت جلدی ہو جاتی تھی۔ جب ابھی سورج بھی پوری طرح نہیں ابھرتا تھا۔ ان کے گاؤں میں باقاعدہ پانی کی سہولت بہت کم گھروں کو نصیب تھی۔ بلو کے گھر میں پانی کے لیے نلکا لگا تھا جس میں پانی تھا تو وافر مگر کھارا۔۔۔ پینے کے لیے سخت ناموزوں۔ یہ ڈیوٹی بلو کی تھی کہ وہ سویرے سویرے اٹھ کر ملکوں کے ٹیوب ویل سے بہنے والا پانی گھڑوں میں بھر کے لائے۔

"بلو۔۔۔ آجا اب۔ پہلے ہی بڑی دیر ہو گئی ہے۔" شادو نے دروازے کی کنڈی کھڑکا کے آواز لگائی تو وہ دوپٹہ لپیٹ کر گھڑا اٹھا کے دروازے کی طرف لپکی۔

"کتنی بار کہا ہے کہ چادر کے بغیر نہ نکلا کر باہر۔۔۔" اماں کی بڑبڑاہٹ نے باہر تک اس کا پیچھا کیا تھا۔ پھر وہ چلائی۔

"دوجا گھڑا بھی لے کے جا۔"

"بلو نے باہر قدم رکھتے ہوئی جواب دیا تھا۔

"ایک ہی ہمارے لیے بڑا ہے۔ میری تو پسلیاں دکھنے لگتی ہیں دو گھڑے اٹھانے سے۔"

"نا فراد۔۔۔ کھانے اور باتیں کرنے کی جان ہے۔"

اماں نے سفید چادر اوڑھتے ہوئے کروٹ لی تھی۔ وہ شادو' رانو اور بسو کے ساتھ گپیں لڑاتی جا رہی تھی۔ جب رانو نے اسے ٹھوکا دیا۔ اس کے لہجے میں شرارت

digest library.com

تھی۔
"بلو۔ یہ چٹے سوٹ والا تیرا رانجھا نہیں لگ رہا ہے؟"
اس کی نظروں کے تعاقب میں بلو نے سامنے درخت کی طرف دیکھا۔ اور پھر تیز لہجے میں بولی۔
"بکواس نہ کر۔ تیرا ہوگا رانجھا۔ مجھے تو یہ کیدو لگتا ہے کیدو۔"
"ہائے بلو یہ ظلم نہ کر۔ بنسری پکڑ لے تو بالکل رانجھا لگنے لگے ایسا سوہنا جوان تو ہمارے پورے پنڈ میں نہیں۔" شادو نے تڑپ کر کہا تو وہ اسے گھورنے لگی۔
اپنے آپ میں مگن بیٹھے شیرے کے پاس سے وہ بڑی خاموشی سے اور وہ تینوں بقول اماں کے "دکھی کھی" کرتی گزری تھیں۔ ٹیوب ویل چل رہا تھا۔ اکا دکا عورتیں پانی بھر کے جارہی تھیں۔
"کیا تکلیف ہے تم لوگوں کو اور تو شادو۔ تجھے حیا نہیں آتی۔ تیری تو "منگنی" ہوچکی ہے تیری پھوپی کے پتر کے ساتھ۔ اور تو اس شیرے لفنگے کی بے شرمی سے تعریفیں کررہی ہے۔"
"وہ شادو سے الجھنے لگی۔ مگر اس پر اثر کہاں تھا۔
"کہاں لکھا ہے کہ منگ کے بعد کسی اور کی تعریف کرنا منع ہے۔" وہ بڑی ڈھٹائی سے بولی۔ چینو اور رانو ہنسی تھیں۔ بلو پسلیوں پر ہاتھ جمائے اسے گھورنے لگی۔
"اور جو کہانیاں سناتی ہے تو نیتے کی وہ کیا ہیں؟؟"
"یار۔ یہی تو نقصان ہوتا ہے منگ کا۔ بندہ کسی ہور کی تعریف بھی نہیں کرسکتا۔" وہ ٹھنڈی آہ بھر کے ہنسی تو بلو کو غصہ آگیا۔
"شرم کر۔"
"لے۔ شرم تو تجھے کرنی چاہیے۔ تو اس کی منگ ہے کہ یہ۔" چینو حیرانگی سے بولی۔ اس حیرانگی کے پیچھے چھپی شرارت اور چھیڑ کو بلو خوب سمجھ رہی تھی۔ پھر بھڑک اٹھی۔
"اللہ نہ کرے کہ میں اس کی منگ ہوں۔ تجھے اتنا شوق ہے تو تو کرلے بیاہ اس سے تجھے تو یوں بھی وہ گھبرو لگتا ہے۔"
"ہائے۔ قسم نال! ایسے اگر میری راہ میں کھڑا ہو تو ایک کیا دو دو بیاہ کرلوں اس سے۔" وہ بڑی حسرت بھری اداکاری کرتے ہوئے بولی تو بلو سنک کر گھڑا اٹھائے ٹیوب ویل سے بہتا صاف شفاف پانی بھرنے لگی۔
"شیرا یعنی علی شیر بلو کا خالہ زاد تھا۔ وہ ابھی اس کی منگ تو نہیں بنی تھی مگر اماں اور خالہ آپس میں یہ بات ان کے بچپن ہی سے طے کرچکی تھیں۔ یہ بات شیرے کو بھی معلوم تھی اور بلو کو بھی۔ جیسا کہ شادو کہہ رہی تھی۔ شیرا واقعی پورے پنڈ کے جوانوں سے بڑھ کر تھا۔ مگر بلو کو اس سے چڑ تھی کیونکہ وہ اماں کا بھانجا تھا۔ جب بھی اماں بلو کو کوستی اور مارتی وہ دل ہی دل میں ایک دفعہ ضرور ارادہ کرتی کہ مرتی مرجائے گی پر شیرے سے بیاہ نہیں کرے گی۔ جب کہ شیرا اسے اپنی منگ ہی سمجھتا تھا۔ اس لیے اسے چھیڑنا' تنگ کرنا' اماں سے اسے ڈانٹ پڑواتا اور سویرے سویرے اس کے راستے میں آکھڑا ہونا' اسے بہت اچھا لگتا تھا۔ جب کہ اس کی ان حرکتوں پر سہیلیاں بلو کو چھیڑتیں تو وہ سلگ اٹھتی۔ وہ بلو کو شیرا نہیں بلکہ "اماں کا بھانجا" ہی لگتا تھا۔
"واپسی پر بھی وہ ویسے ہی بوڑھ کے درخت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ وہ سہیلیوں کی ہنسی اور سرگوشیوں سے بے نیاز گھڑا بغل میں دبائے تیزی سے گزر گئی۔
"چپ چپ نہ کیا کر ایسے بلو۔ بے چارے کا دل ٹوٹ گیا ہوگا۔" رانو نے تاسف سے شیرے کو دیکھتے ہوئے بلو سے کہا۔
"تو تو جوڑ دے اس کا دل۔ ویسے بھی کنواری ہے اور منگنی بھی نہیں ہوئی تیری۔" بلو منہ پھٹ تو تھی ہی تڑاخ سے بولی تو رانو کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ دل میں اک ہوک سی اٹھی۔
"تیرے پیچھے مر نہ رہا ہوتا تو کبھی اسے انکار نہ کرتی۔" رانو نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا تو وہ منہ بنانے لگی۔

"بڑی نصیبوں والی ہے تو بلو۔ جو شیرے کی گھر والی بنے گی۔" چینو کے لہجے میں رشک تھا۔ بلو نے تیوری چڑھا کر اسے دیکھا۔

"خدا نہ کرے۔۔۔ مرجاؤں گی پر اس سے ویاہ نہیں کروں گی۔" وہ تڑخ کر بولی تو شادو نے اسے ٹوک دیا۔

"جھلی ہے تو۔۔۔ اور کیا چاہتی ہے تو۔ آٹھ جماعت پڑھا ہوا ہے۔ ملکوں کا ڈرائیور ہے۔ چنگی بھلی تنخواہ لیتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کے یہ کہ رج کے سوہنا ہے۔ پھر تجھے کس بات کی کمی لگتی ہے۔"

"بس مجھے وہ چنگا نہیں لگتا وہ اماں کا بھانجا ہے اور بس۔"

گھر قریب آگیا تھا وہ دوٹوک انداز میں ناگواری سمو کر بولی اور غڑاپ سے کھلے دروازے میں داخل ہوگئی۔

"جھلی ہے نری۔۔۔ ضد میں ٹھکرا رہی ہے شیرے کو۔" شادو نے تاسف سے سر جھٹکا تھا۔

"اماں نے چولہے میں آگ جلادی تھی۔ وہ گھڑا اینٹوں پر رکھ کے جلدی جلدی آٹا گوندھنے لگی۔ اماں پھر شروع ہوگئی تھی۔

"کتنی باری کہا ہے تجھ سے کہ پہلے روٹی ٹکر پکایا کر پھر پانی بھرنے جایا کر۔ روز دیر کردیتی ہے۔"

"ابھی کہاں دیر ہوئی ہے اماں۔۔۔ روز اسی وقت روٹیاں پکتی ہیں۔" وہ منہ بنا کر بولی۔ ایک تو پہلے ہی "اماں کے بھانجے" کے دیدار نے صبح سویرے دل خراب کردیا تھا اوپر سے اماں کی جھڑکیاں۔

"تو بات ماننے والے دن پیدا ہی نہیں ہوئی تھی۔" اماں کڑھ کر بولی۔ تو بلو کو ہنسی آگئی۔

"تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ تجھے خود دن کا دھیان رکھنا چاہیے تھا۔"

"بذات خود بکواس کرتی ہے۔" اماں نے بھاری ہاتھ سے اس کا کندھا سلگا دیا گیا تھا۔

"بس اب صبح صبح مارنا شروع کردے۔" وہ منہ بسور کر پانی کا تسلہ لیے اٹھ گئی۔ کچے کے صحن میں پانی گرا کر وہ تسلہ رکھ کے آٹے کی پرات اٹھانے لگی۔

"اماں اب تو فصلیں پک گئی ہیں۔ بھیا اور ابا دن چڑھے جاتے ہیں کھیت پر۔ اور پھیر روز اسی وقت سارے کم ہوتے ہیں پتہ نہیں تو روز ہی سیاپا کیوں ڈال دیتی ہے۔" اس کے لہجے میں غصہ تھا۔ اور واقعی یہ تھی روز کی بات۔

"چل دفع ہو۔ جاکے بھوری کو پٹھے ڈال کے آ' لسی نہیں بنائی آج۔ اماں نے اسے ڈانٹا۔ وہ چاہتی بھی تو بلو کے ساتھ نرم لہجے میں بات نہیں کرپاتی تھی۔

"وہ آٹے کی پرات چولہے کے پاس چنگیر سے ڈھانپ کر رکھتی جلتی بھنکتی پلٹ گئی۔ پانتی اٹھائے' پیر پٹختی' وہ پچھواڑے کی طرف بڑھی تھی۔ "ہنہ۔۔۔ ڈانٹ پھٹکار کے لیے بھی میں اور کام کاج کے لیے بھی میں۔ اللہ کرے کہ مرجاؤں میں۔ دیکھ لینا ایک ہی بار سارے بدلے چکاؤں گی۔ چاہے ساری عمر کنوارہ ہی رہ جائے کبھی اس شیرے سے ویاہ نہیں کروں گی۔"

"وہ بھوری کے آگے چارہ ڈال کے دودھ دوہنے لگی۔ اس کی سوچیں باغی ہورہی تھیں۔

"ابا اور بڑے بھیا ناشتا کرکے نکل گئے تو وہ اماں کے آگے پراٹھوں والی چنگیر رکھ کے جھوٹے برتن اکٹھے کرنے لگی۔ اس نے رات کے بچے قیمہ کریلے اور پراٹھا نکال کر اپنے لیے گلاس میں لسی بھری ہی تھی کہ شیرا آگیا۔

"سلام خالہ۔۔۔"

"آئے ہائے۔۔۔" بلو کے دل میں ناگواری کی لہر اٹھی تھی۔ اس نے پیڑی کھسکا کر اس کی طرف پشت کرلی۔

"روٹی کھائے گا شیرے۔۔۔؟" اماں نے شیرینی بھرے لہجے میں شیرے سے پوچھا تو وہ جل کے رہ گئی۔

"بس میں ہی سوتیلی ہوں۔" اس نے منہ بنا کر سوچا۔

"ہاں خالہ۔۔۔ ضرور کھاؤں گا۔ قیمہ کریلے تو ویسے بھی مجھے بہت پسند ہیں۔" وہ بڑے مزے سے پیڑھی گھسیٹ کے بلو کے پاس بیٹھ گیا اور اس کے کچھ کہنے

digest library.com

سے پہلے ہی اس کے آگے بڑا پراٹھا اٹھا کر قیمہ کریلے کے ساتھ کھانے لگا۔ وہ ہکا بکا تھی۔

"یہ۔ یہ کیا حرکت ہے؟" وہ غصے سے سرخ ہونے لگی شیرے نے پسینے میں بھیگی غصے سے لال بلو کا یہ روپ بہت دلچسپی سے دیکھا تھا۔

"دیکھ رہی ہے اماں اپنے بھانجے کی حرکت۔" اس نے اماں سے شکایت کی۔

"بس پڑ گیا غش۔ اے کیا ہے، جو بچے نے تھوڑا کھالیا تو۔" اماں نے طنز کیا تو وہ تپ اٹھی۔

"تو بچہ اپنے گھر سے کیوں نہیں کھا پی کے آتا۔ سارے دن میں اک باری روٹی کھانی ہوتی ہے مجھے۔ وہ بھی یہ کھا گیا ہے۔" بلو کو رونا آنے لگا۔ اماں کو اس کی تھڑدلی بالکل بھی نہیں بھائی تھی۔ جب کہ شیرا مزے سے لسی کے گھونٹ بھرتا مسکرا رہا تھا۔

"تو مر کیوں رہی ہے۔ اور پکالے۔ ہاتھ تو نہیں ٹوٹ گئے تیرے۔"

"کیوں۔ اور کیوں پکاؤں۔ اسے کیوں نہیں منع کرتی تو روز منہ اٹھا کے آجاتا ہے۔" وہ چلبلا کر بولی۔ تو اماں اسے خشمگیں نگاہوں سی دیکھنے لگی۔

"یہ لے۔ دل نہ تھوڑا کر۔" شیرے نے لسی کا گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے شرارت سے کہا تو اس کا دل خراب ہونے لگا۔

"ادھ ادھ گز کی مونچھیں ڈبو دی ہیں اس میں۔ اب میں کیوں پیوں؟"

"اس کے انداز پر شیرے نے بے اختیار قہقہہ لگایا اور باقی کی لسی بھی حلق میں اتار گیا۔

"ویسے پی لیتی تو اچھا تھا۔ جوٹھا پینے سے محبت بڑھتی ہے۔" وہ نچی آواز میں شرارت سمو کر بولا تو وہ سلگ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ جی تو چاہا اماں کو ان کے بھانجے کے کرتوت بتادے۔ مگر اماں کی صلواتیں کھانے کو اس کا جی نہیں چاہ رہا تھا۔

"وہ اٹھ کر اماں کے پاس چارپائی پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگا مگر اس کی نگاہ ادھر ادھر چلتی پھرتی جھاڑو لگاتی، جھاڑو پونچھ کرتی بلو پر تھی۔

"ڈرائیوری کیسی چل رہی ہے تمہاری؟" اماں نے فریم سنبھال لیا۔ وہ اپنے لیے لون کی چادر کاڑھ رہی تھی۔ اماں کی توجہ ہٹی تو شیرے کو کھل کے بلو کا دیدار کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ اماں کی باتوں کا جواب بھی دیتا جا رہا تھا۔

"بہوت چنگی خالہ۔ اب تو میری تنخواہ میں پورے سو روپے بڑھ گئے ہیں۔"

"ماشاء اللہ۔" اماں کو بے حد خوشی ہوئی اس خبر سے۔

"ہنہ۔ سو روپیہ بڑھ گیا ہے۔ اس میں سے خالہ کے لیے کیا لے کے آیا ہے۔ بس سکا منہ لے کے آ جاتا ہے۔"

"وہ دوپٹے سے چہرے پر آیا پسینہ صاف کرتے ہوئے طنز سے بولی تو وہ خفیف سا ہو گیا۔ جب کہ اماں نے اسے بری طرح جھڑک دیا۔ وہ سر جھٹک کر برتن اکٹھے کر کے دھونے بیٹھ گئی۔

"تو بھی آجا شیرے۔"

"اچھا خالہ۔" وہ ٹال گیا۔ اماں کے جاتے ہی وہ اٹھ کر بلو کی طرف آیا۔ جو راکھ اور ریت سے دیگچیاں کو مانجھ رہی تھی۔ وہ ہاتھ سینے پر لپیٹے اس کے سامنے کھڑا ہو کر بڑے اشتیاق سے اسے دیکھ رہا تھا۔ بلو الجھن سی ہونے لگی۔

"کیا ہے۔؟" اس نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" اس نے لاپرواہی سے شانے اچکائے تو وہ تپ کر دوبارہ برتن مانجھنے لگی۔ نلکا چلانے لگی تو وہ تیزی سے آگے بڑھا اور نلکا چلانے لگا۔ وہ کچھ بولی نہیں تیوریاں چڑھائے تیزی سے بہتے پانی کے نیچے برتن دھونے لگی۔

"اتنے کام نہ کیا کر۔ اتنی نازک ملوک ہے تو۔ مجھے تو ڈر ہے کہ تو کام کر کر کے ہی ختم نہ ہو جائے۔"

"وہ مذاق کر رہا تھا۔ ساتھ ہی لہجے میں جذبوں کی تپش بھی تھی بلو نے گھور کے اسے دیکھا۔

"جس دن تو نوکرانی رکھوا دے گا اس دن سے کام نہیں کروں گی۔"

"اک باری تو میرے گھر آتو لے۔ پھر دیکھنا۔ پھولوں کے بستر ے پر رکھوں گا تجھے۔" اس کے لہجے میں محبت کی شدت رچی تھی۔ مگر بلو پر ایسی باتیں جھنجلاہٹ اور بے زاری ہی طاری کرتی تھیں۔

"چل میرے ساتھ فضول بک بک نہ کر۔ ابے کو بتا دیا تو تیرا سارا عشق جھاڑ دے گا وہ۔"

وہ تیزی سے ہاتھ چلا رہی تھی۔ شیرے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پانی کے چھینٹوں سے بھیگی تنے تنے نقوش لیے وہ واقعی "سوہنی" لگ رہی تھی۔ غصے میں اس کی آنکھیں جیسے چنگاریاں اڑانے لگی تھیں۔

"نہ نہ بھلا ایسی باتیں کڑیاں تھوڑی اپنے ماں باپ سے کرتی ہیں۔ میں خود گل کروں گا۔" وہ بہت شریر انداز میں بے ساختہ بولا تو وہ برتن پرات میں رکھتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"در فٹے منہ۔" وہ پیر پٹخ کر پلٹی تو شیرے نے سرعت اس کی لمبی چوٹی کو جکڑا تھا۔ وہ جھٹکے سے رک گئی۔ برتنوں سے بھری پرات گرتے گرتے بچی تھی۔

"چھوڑ میری چوٹی' لفنگا نہ کہیں کا۔"

وہ غصے سے بولی اور پھر اس پر اثر نہ ہوتا دیکھ کر اس نے اماں کو زور سے آواز دی۔ نتیجہ حسب توقع تھا۔ اس نے فوراً چٹیا چھوڑی تھی۔

"ایسی حرکتیں اپنی کسی لگتی سے کرنا' سمجھے۔"

وہ فوں فوں کرتی برآمدے میں چلی گئی۔ جہاں ایک کونے میں برتنوں کا ٹوکرا پڑا تھا۔ وہ برتن ٹوکرے میں رکھنے لگی۔

"اچھا خالہ اب میں چلتا ہوں۔" وہ اجازت لے رہا تھا۔

"بیٹھ جا دو گھڑی۔" اماں نے اصرار کیا مگر وہ رکا نہیں۔ اماں کڑھائی کر رہی تھی۔ صحن میں پتھر گرا تو وہ چونکی۔ یہ شادو کا بلاوا تھا۔ اس نے چور نگاہوں سے اماں کو دیکھا وہ اپنے کام میں مگن تھی۔ وہ غیر محسوس انداز میں چارپائی سے اٹھی اور چپلیں پہن کر صحن کی طرف بڑھی۔

"بس چل دے اب اور لور پھرنے۔"

وہ اماں کو جتنا بے خبر سمجھ رہی تھی اتنی وہ تھی نہیں۔ وہ ٹھٹک گئی۔ پھر منت کرنے والے لہجے میں بولی۔

"اماں' بس آدھے گھنٹے کے لیے جا رہی ہوں شادو کی طرف' ابھی آجاؤں گی۔"

"کوئی ضرورت نہیں۔ بیٹھ کے اپنے جہیز کی چادر ہی کاڑھ لے۔" اماں نے صفا چٹ جواب دے دیا۔

"مجھے نہیں پتہ۔ صبح سے ڈھور ڈنگروں کی طرح جتی ہوئی ہوں اب ذرا دیر سہیلیوں کے ساتھ بیٹھ بھی نہیں سکتی۔" وہ روہانسی ہونے لگی۔ اماں اسے تھوڑی دیر دیکھتی رہی پھر گہری سانس لے کر بولی۔

"اچھا جا۔ پر جلدی آجانا۔ اور وہاں سے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں۔ سیدھی گھر آئیں۔"

"اچھا اماں۔" وہ خوش ہو اٹھی۔ اماں کبھی کبھار ہی ایسے موڈ میں آتی تھی۔

شادو بھی کام کاج سے فارغ ہو کے بیٹھی تھی۔ ویسے بھی اس کی بے بے اور بھرجائی بھی آدھے کام کر لیتی تھیں' اس لیے شادو عموماً فارغ ہی نظر آتی تھی۔

"کام کر آئی؟" شادو اسے لیے چھوٹے سے ڈربہ نما کمرے میں آگئی۔

"ہاں۔ پر تو بھی کبھی آجایا کر۔ ہمیشہ مجھے ہی بلاتی ہے۔" وہ بے تکلفی سے کمرے کی واحد چارپائی پر کہنی کے بل لیٹتے ہوئے اسے گھورنے لگی۔ شادو بھی اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"نہ بھئی۔ مجھے تو تیری اماں سے ڈر لگتا ہے۔"

"ہہ۔ تو اتنی ہی تو ڈرپوک ہے نا۔" بلو نے طنز کیا تھا۔ شادو ہنس پڑی۔

"اچھا اب دکھا وہ چوڑیاں اور جھمکے جو فیقے نے دیے ہیں تجھے۔" بلو زیادہ دیر اپنے اشتیاق کو دبا نہیں سکی۔ شادو فوراً اٹھی اور وہ چھتی پر ہاتھ مار کر گتے کا ڈبہ اتارا۔

"یہ دیکھ۔ یہ رہیں چوڑیاں اور یہ جھمکے۔ شادو

digest library.com

نے ڈبہ کھول کے اس کے آگے کیا۔ جگر جگر کرتی سرخ اور سنہری چوڑیاں بلو کے دل میں اترتی چلی گئیں

"کتنی سوہنی ہیں۔۔۔" وہ بے اختیار بولی اور چوڑیاں اٹھا کر دیکھنے لگی۔

"اور یہ جھمکے دیکھ، نرے سونے کے لگتے ہیں۔" شادو نے خوشی سے تمتماتے لہجے میں کہا تو بلو کی آنکھوں میں ستائش اتر آئی۔

"ویسے نیتے کو چیزیں خریدنے کا چنگا ڈھب ہے۔"

گاؤں کی عام سی لڑکی کے لیے کانچ کی چوڑیاں اور بیس تیس روپے والے جھمکے ہی سب سے بڑی خوشی تھے۔ بلو اوپری دل سے مسکرا رہی تھی۔

"تیری بھی جب منگنی ہو جائے گی تو شیرا بھی تیرے لیے ایسی ہی چیزیں خریدا کرے گا۔" وہ احتیاط سے ڈبہ پیٹی پر واپس رکھتے ہوئے اسے کہنے لگی۔ بلو کے چہرے پر بیزاری پھیل گئی۔

"رب کا واسطہ ہے شادو، خوامخواہ دل خراب کرنے والی گل نہ کیا کر۔"

"آئے ہائے نری کملی ہے تو" شادو نے تحیر سے اسے دیکھا اور پھر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ "اک گل تو بتا آج مجھے۔ تیرے دل میں ہے کیا۔ علی شیر میں کیا عیب ہے؟؟"

"اس کا سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ وہ اماں کا بھانجا ہے۔" وہ اٹل لہجے میں بولی۔ ہمیشہ کی طرح شادو کا جی چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔

"اتنی ضد چنگی نہیں ہوتی بلو۔۔۔ تیری اماں کا بھانجا ہے تو تیرا بھی تو کچھ لگتا ہے۔" شادو نے ہر بار کی طرح اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"دنیا کی ہر بات مانتی ہوں اماں کی۔ صبح سے لے کر رات تک گھر کے کام کرتی ہوں پھر یہ بات تو کبھی بھی پوری نہیں کروں گی۔"

اس کے دماغ میں شروع سے جو بات سمائی تھی وہ اب پک گئی تھی اماں کا شیرے کو توجہ دینا بلو کو زہر لگتا تھا۔ شادو نے سر جھٹکا۔

"تو تو نری جھلی ہے۔ تیری باتیں کبھی میرے دل کو نہیں لگیں۔ بے کار کی ضد کے پیچھے تو اتنے چنگے بندے کو ٹھکرا رہی ہے۔"

شادو سیدھی سادی لڑکی تھی، اس کے ذہن میں بلو کی باتیں نہیں سمائی تھیں۔

"اچھا بس بھی کر۔ دو گھڑی کو اماں سے اجازت لے کر آئی ہوں اور تو نے یہاں دماغ خراب کرنے والی باتیں شروع کر دی ہیں۔" وہ اکتاہٹ بھرے غصے سے بولی تو شادو نے گہری سانس لے کر شانے اچکا دیے۔

"تیری مرضی۔۔۔ میرا کام تو تجھے سمجھانا تھا۔ آگے تیری اپنی مرضی۔" بلو نے سکھ کا سانس لیا تھا۔ جو اس کے دل میں تھا وہ اس نے آج تک کسی کو نہیں بتایا تھا۔

☆ ——— ❖ ——— ☆

"اسلام علیکم۔۔۔!" خالہ اور علی شیر آگے پیچھے اندر داخل ہوئے تھے۔

"جی آیاں نوں۔۔۔ میری بھین آئی اے۔" اماں خالہ سے یوں ملی جیسے برسوں بعد ملاقات ہوئی ہو۔ یا پھر وہ بیرون ملک سے آئی ہوں۔

"میں تو پھر بھی آ گئی۔ تیرا تو دل ہی نہیں کرتا۔"

"سلام خالہ۔۔۔" بلو آگے بڑھی تو خالہ نے اسے خود سے لپٹا لیا اور بڑی محبت سے اس کی پیشانی چوم لی۔

"کی حال ہے میری دھی کا؟"

"ٹھیک ہوں خالہ۔۔۔" وہ پھیکے لہجے میں بولی۔ شیرے کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ دیکھ کر اس کے کانوں میں خطرے کی گھنٹیاں بج اٹھی تھیں۔

"ہاں اماں، اس کی فکر نہ کر۔ یہ چنگی بھلی ہے۔ خالہ کی جھڑکیں کھا کھا کر دیکھا نہیں اس کی صحت کتنی بڑھ گئی ہے۔" شیرے نے لقمہ دیا تو وہ تلملا اٹھی۔

"نہ پترا، ایسے منہ بھر کے نہیں کہتے۔ ماشاءاللہ میری دھی تو چاند کا ٹکڑا ہے۔" خالہ نے چارپائی پر دھپ مارتے ہوئے بلو کو بھی اپنے پاس بٹھایا تھا۔

"تو کہاں یہاں بیٹھ گئی ہے۔ جا کے لسی پانی لے کے آ خالہ کے لیے۔" اماں نے فوراً بلو کو گھرکا تھا۔

"جارہی ہوں اماں۔" وہ بے زاری سے اٹھی تھی۔

وہ گلاسوں میں لسی ڈال رہی تھی جب شیرا چلا آیا۔

"تجھے چین نہیں آیا ادھر؟" اسے شیرے کی آمد پسند نہیں آئی تھی۔

"جو گل میں تجھے بتانے آیا ہوں وہ تیرا چین بھی مٹا دے گی۔" اس کی بات سن کر وہ کھٹک سی گئی۔

"تو کبھی کوئی چنگی خبر بھی لے کے آیا ہے جو آج چین مٹانے کی باتیں کر رہا ہے۔" اندر کے خوف نے اسے غصہ دلا دیا تھا۔

"خیر میرے لیے تو یہ بڑی چنگی گل ہے۔ البتہ تیرا پتا نہیں۔" وہ پیڑھی پر بیٹھتے ہوئے ہنسا۔

"آرام سے رہ شیرے۔ میرے ساتھ مخول کیا تو اچھا نہیں ہوگا۔" اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔

"اماں شادی کی خوش خبری سنانے آئی ہے۔" اس نے گویا دھماکا کیا تھا۔ وہ ششدر سی اسے دیکھے گئی۔

"شیرے کیوں بک رہا ہے تو۔۔۔" وہ بے یقینی سے بولی۔

"لے۔۔۔ تو مٹھائی کا ڈبہ کیا میں ختم پڑھنے کے لیے لایا ہوں۔" شیرے نے لسی کا گلاس اٹھاتے ہوئے مزے سے کہا تو اسے رونا آنے لگا۔ وہ بڑے دھڑلے سے کہتی تھی کہ مر کے بھی شیرے سے شادی نہیں کروں گی۔ مگر اب جب بات چلی تھی تو ہاتھ پیر بے جان ہونے لگے تھے۔

"مجھے نہیں پتا شیرے۔ میں کوئی نہیں کروں گی شادی وادی۔"

"شیرے نے بہ مشکل ہنسی دبائی تھی۔ پھر بڑی سنجیدگی سے بولا۔

"اب یہ گل تو تجھے اماں یا خالہ سے کرنی چاہیے۔"

"تو۔۔۔ تو خود کیوں نہیں منع کر دیتا۔" اس کے لہجے میں شیرے کے انداز نے ہمت بھر دی تھی۔ لجاجت سے بولی۔

"چل ٹھیک ہے۔ تو پریشان نہ ہو۔ میں ابھی جا کے اماں سے گل کرتا ہوں۔" شیرے نے اس کا ہاتھ تھپکا۔

"کیا کہے گا؟" اسے فکر سی ہوئی کہ کہیں وہ جا کے اسی کا نام نہ لے دے۔

"یہی کہ اگلے مہینے کی بجائے اسی ہفتے کی تاریخ رکھ لیں۔" وہ لاپروائی سے بولا۔ تو بلو اچھل سی پڑی۔

"فٹے منہ تیرا۔۔۔" بلو نے دانت پیس کر اسے دیکھا اور لسی کے گلاس ٹرے میں رکھ کر تیزی سے اندر بڑھ گئی۔ وہ ہنستا ہوا اس کے پیچھے لپکا تھا۔

اندر کا ماحول بلو کے تھمتے سے دل کو لرزا گیا۔ مٹھائی کا ڈبہ کھل چکا تھا۔ اماں اور خالہ شیرو شکر ہو رہی تھیں۔

"ساری تیاریاں مکمل تھیں۔ اسی لیے میں نے دو ہفتے بعد کی تاریخ رکھی ہے۔" خالہ ہنس رہی تھی۔

"خالہ۔۔۔ یہ لو لسی۔"

"اے چھوڑ لسی کو۔ یہ لے منہ میٹھا کر تو بھی۔" خالہ نے لڈو اٹھا کر اس کے منہ میں ڈالا تھا۔ اس کا حلق بند ہونے لگا۔

"پر ہمیں تو ابھی پوری تیاری کرنی ہے۔ لے اب مجھے کیا خبر تھی کہ تو اتنا کم وقت دے گی۔" اماں کے انداز میں تفکر تھا۔ لڈو بلو کے گلے میں پھنسنے لگا۔ شیرا بہت دل چسپی سے اس کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

"لے، دو ہفتے تھوڑے ہوتے ہیں تیاری کے لیے۔"

اماں اور خالہ کی باتیں اور ہنسی بلو کی فکر کو مزید بڑھا رہی تھیں۔

"بلو کی تو فکر ہی نہ کر، اپنی دھی کے کپڑے تو میں نے آپ ہی بنائے ہیں۔" خالہ نے پیار سے ساتھ لگایا اور اماں کو تسلی دی۔ جس پر اماں کی پریشانی کم ہو گئی۔

"زینو کہہ رہی تھی کہ بلو کو ساتھ ہی لے آنا۔"

"مجھے نہیں جانا۔" وہ جھنجلاہٹ، غصے اور بے بسی کے احساس سے رو پڑی۔

"آہائے۔۔۔ کملی ہوئی ہے کیا۔۔۔ لے بھلا تیری

digest library.com

سہیلی اب دو ہفتوں کی مہمان ہے اور تو منہ بسور رہی ہے۔ اسی لیے تو کہہ رہی تھی کہ بلو کو لے آنا۔" خالہ نے اسے ساتھ لگالیا۔

"نہیں..." اس نے چونک کر خالہ کو دیکھا تھا۔

"اس کے سسرال نے اتنی جلدی ڈال دی تھی کہ میں نے منع کرنا ٹھیک نہیں سمجھا۔ تو ناراض نہ ہو۔ اگر وہ آتی تو تجھے خود بتادیتی۔"

وہ حیرت میں غرق رونا بھول کر خالہ کو دیکھنے لگی۔

یہ کیا کہہ رہی تھی وہ۔ زینو کی شادی... تو گویا علی شیر بکواس کررہا تھا اسے اور رونا آگیا جب اس نے شیرے کو ہنستے ہوئے دیکھا۔ وہ خالہ کے گلے لگ کر رونے لگی۔ اسے پتا چل گیا تھا کہ شیرا اسے بے وقوف بنارہا تھا۔

"لے... ہے نا جھلی ہوگئی۔" اماں خفا ہوئی تو خالہ ہنسنے لگی۔

"بھئی اس کی سہیلیاں جو جارہی ہے۔" شیرے نے بظاہر بڑی سنجیدگی سے بلو کی حمایت کی تھی اور وہ دل ہی دل میں اسے گالیاں دے رہی تھی۔

☆ ___ ❖ ___ ☆

"چٹا ککڑ بنیرے تے
کاسنی دوپٹے والیے
"منڈا صدقے تیرے تے۔"

گوٹے کناری سے سجے پیلے جوڑے میں بلو کی رنگت دمک رہی تھی۔ خوشی اور بے فکری نے گالوں پر خون چھلکا دیا تھا۔ وہ بہت سر میں ٹپے گارہی تھی۔

"اے اپنے شیرے کی منگ ہے نا؟" کوئی عورت شاید خالہ سے پوچھ رہی تھی۔ بلو کا رنگ روپ اسے سب سے جدا کررہا تھا۔

"ہاں... دھی ہے میری۔" خالہ کے لہجے میں پیار تھا۔

زینو کو مایوں بٹھایا گیا۔ بلو اس کے پاس کھڑی تھی۔

"منہ تو دیکھنے دو دوہٹی کا۔" زینو کی نند نے اس کے منہ سے دوپٹہ ہٹانا چاہا اس کی یہ کوشش بلو نے ناکام بنادی۔

"ابھی اس کا دولہا نہیں آیا۔"

"ہن تے اپنی چیز ہے۔" وہ احتجاجاً بولی تھی۔ باقی بھی اس کا ساتھ دے رہی تھیں۔

"کل جب نکاح ہوگیا تے فیر اپنی کہنا۔" بلو نے برجستہ گوئی کا مظاہرہ کیا تھا۔

علی شیر تو اس کی اک اک ادا کو نگاہوں کے راستے دل میں اتار رہا تھا۔

مہندی اور تیل لگ رہا تھا۔ ہنسی مذاق ہورہا تھا۔ رسمیں نمٹائی جارہی تھیں۔ رات گئے یہ ہنگامہ ختم ہوا۔

"جا شیرے یہ میٹھے چاول تو دے آ چار پنج گھروں میں۔" خالہ نے بچ جانے والے چاول دیگ میں سے نکال کر شیرے سے کہا تو وہ بدک گیا۔

"یہ میرا کام تھوڑی ہے۔ ان کڑیوں کو بھیج دے۔"

"لے اب مایوں بیٹھی زینو کو اٹھا کے بھیج دوں۔ چل اٹھ میرا پتر۔" خالہ نے اسے پچکارا تھا۔

"پر اماں چنگا تو نہیں لگتا کہ میں زنانیوں کی طرح دروازے کھڑکا کے چاول بانٹتا پھروں۔" وہ بے زاری سے بولا۔

"چل بلو کو لے جا اپنے ساتھ۔" خالہ نے تجویز پیش کی تو وہ کھل سا گیا مگر ظاہر یوں کیا جیسے بڑی مجبوری ہو۔

"ایک تو جب تک یہ کام میں نے کر نہ لیا تب تک تو مجھے چین سے نہ لینے دی گی۔" اس نے آگے بڑھ کے چاولوں کی بھری ٹرے اٹھالی۔

"خالہ میں کیا کروں گی ساتھ جا کے؟" بلو کو اعتراض ہوا۔

"اب دروازہ کسی کڑی نے کھولا تو تو ہی گل کرے گی نا۔ میرا تو پتا ہی ہے کہ میں کتنا حیا والا ہوں۔" وہ بڑی معصومیت سے کہہ رہا تھا۔ اماں کے گھورنے پر وہ مجبوراً "اٹھی" کھسہ پاؤں میں اڑسا اور دوپٹے کا پلو سر پہ ڈالتی اس کے پیچھے چل پڑی۔

digest library.com

"خواہ مخواہ مجھے مصیبت ڈال دی۔ آپ نہیں آسکتا تھا؟" باہر نکلتے ہی اس نے لڑنا شروع کردیا۔
"میرا دل چاہ رہا تھا تیرے ساتھ بات کرنے کو۔" وہ مزے سے بولا۔ چاند کی چاندنی میں نہایا اس کا روپ رات کی خوب صورتی کو ماند کررہا تھا۔ وہ تلملا اٹھی۔
"تیرا کررہا تھا میرا تو نہیں۔"
"تو تو ہے ہی کملی۔۔۔" وہ ہنسا تھا۔
"ہنہ۔۔۔ اتنی تھک گئی تھی میں۔ دو گھڑی چین بھی لینے دیا۔" اس کا غصہ ٹھنڈا ہی نہیں ہورہا تھا۔
تین چار گھروں میں چاول دینے کے بعد تھوڑے سے چاول بچے تھے۔
"کتنا گھپ اندھیرا ہے اس گلی میں۔ رہن دے شیرے اب واپس چلیں۔" وہ ڈر کے بولی۔
"او چل اب اک گھر رہ گیا ہے۔ میرے یار کا ادھر تو دے لیں۔" وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا گلی میں گھس گیا۔ وہ تیزی سے اس کے پیچھے لپکی تھی۔
"کتنا کمینہ ہے تو شیرے۔۔۔" وہ مجبوراً اس کے بازو سے لگ کے چل رہی تھی۔
"ٹرے خالی ہوگئی تو وہ واپس پلٹے تھے۔
"آج تو بڑی سوہنی لگ رہی تھی۔۔۔" وہ لہجے میں محبت سموئے بولا تھا۔ خوشی اور تفاخر کی اک لہر بلو کے دل میں اٹھی مگر بظاہر وہ بڑے روکھے لہجے میں بولی۔
"پتا ہے مجھے۔۔۔"
"اور کیا یہ بھی پتا ہے کہ میں تجھ سے کتنا پیار کرتا ہوں؟" وہ ایکدم بولا تو وہ جھنجلا اٹھی۔ پھر پیر پٹختی ناگواری کے اظہار کے طور پر اس سے دو قدم آگے چلنے لگی۔
"بلو۔۔۔ بلو" علی شیر اس کے پیچھے لپکا تھا۔
"دفع ہوجا۔۔۔" وہ خفا تھی۔
"اچھا سن تے سہی۔۔۔ بلو" وہ اسے منانے کے لیے آگے بڑھا تھا۔
"اوئے۔۔۔ کتھے کنے جانا ہے بلو دے گھر۔۔۔؟"
شیرا بے اختیار ٹھٹکا تھا اور چہرہ موڑ کے دیکھنے لگا۔
وہ بگڑے ہوئے بے فکر مسٹنڈے گیٹ کے گرد بنی منڈیر پر بیٹھے تھے۔ انہی میں سے کوئی بولا تھا۔
"اوئے۔۔۔ اسی سارے جاواں کے یار۔۔۔"
انہوں نے شاید شیرے کی زبان سے بلو کا نام سن لیا تھا۔
بلو کا رنگ فق پڑ گیا۔ اس نے شیرے کا ہاتھ پکڑ کے کھینچا مگر وہ نہیں ہلا۔
"چل نا شیرے۔۔۔"
"تو چل میں آتا ہوں۔" اس نے پرات بلو کو پکڑاتے ہوئے سرد لہجے میں کہا تو وہ اس کے تاثرات دیکھ کر سہمی ہوئی سی چل پڑی۔
وہ بے ہودگی کا مظاہرہ کررہے تھے۔ دوسرا فلمی ڈائیلاگ بولنے لگا۔ علی شیر کی برداشت جواب دے گئی تھی۔ وہ پلک جھپکتے میں ان دونوں کے سر پر پہنچ گیا۔
"بہوت شوق ہے تمہیں بلو کے گھر جانے کا۔" وہ دانت پیستا ہوا ان پر پل پڑا تھا۔
بلو زرد پڑتی رنگت کے ساتھ تھر تھر کانپتی کھڑی شیرے کا غضب دیکھ رہی تھی۔
اس نے دونوں مسٹنڈوں کی خوب پٹائی کی تھی۔
"شیرے۔۔۔" وہ بڑی ہمت کرکے آگے بڑھی تھی۔ "چل چھڈ۔۔۔ دفع کر۔" اس نے زبردستی اس کا ہاتھ تھام کر اسے روکا تھا۔
"ان کمینوں کی مائیں بہنیں نہیں ہیں کیا؟" اس نے ایک کی پسلی میں ٹھوکر لگائی اور دانت کچکچا کر بولا۔
وہ اسے زبردستی کھینچ کھانچ کر چل ہی پڑی تھی۔
"کتے۔۔۔ کمینے لوگ۔" اس کی رنگت اشتعال سے سرخ پڑ گئی تھی۔
"خیر ہے اب۔۔۔ ایسا بھی کیا کہہ دیا انہوں نے؟"
بلو دبے دبے لہجے میں کہنا چاہا تو وہ اس پر الٹ پڑا۔
"بکواس نہ کر۔۔۔ کوئی تیری طرف میلی آنکھ سے دیکھے تو اس کو اندھا کردوں گا میں۔" اس کے لہجے اور انداز پر بلو ڈر سی گئی۔
"میں تو کہہ رہی تھی کہ۔۔۔"
"کچھ بھی نہ کہہ۔۔۔ مجھے بہت غصہ آرہا ہے اور

"تجھے یوں بج بن کے نکلنے کی کیا ضرورت تھی؟"

وہ خوامخواہ اس پر ناراض ہونے لگا۔ غصے سے اس کا برا حال تھا۔ ان کو اچھی طرح مار لگانے کے بعد بھی اس کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔

"تو میں نے کہا تھا ان سے کہ مجھے چھیڑیں اور سارا قصور تیرا ہے۔ تجھے کس نے کہا تھا کہ اتنا رولا ڈال میرے نال کٹ۔" وہ بھی غصے میں آ گئی۔

"بس آئندہ سے تو گھر بیٹھا کر۔ کوئی ضرورت نہیں تجھے گھر سے نکلنے کی۔ میں ساتھ تھا تو یہ ہو گیا۔ اکیلی نکلی ہوگی تو لوگ پتا نہیں کیا کیا کہتے ہوں گے۔ کن نظروں سے دیکھتے ہوں گے۔" وہ ان دیکھے مناظر کو سوچ کر تلملا رہا تھا۔ وہ تب اٹھی۔

"تو تجھے کیا تکلیف ہے۔ میری مرضی میں جہاں چاہے جاؤں۔" شیرے نے جھٹکے سے اس کا بازو پکڑا تھا۔

"دیکھ بلو۔۔۔ تو میری منگ ہے‘ عزت ہے میری‘ تجھے کوئی میلی آنکھ سے دیکھے تو جان نکال لوں اس کی۔ تجھ سے محبت کرتا ہوں اس لیے تیری طرف اٹھی میلی نظر بھی برداشت نہیں کرتا۔ ورنہ بے غیرت بن کے وہاں سے گزر بھی سکتا تھا۔"

وہ شعلوں کی سی لپک کے ساتھ گویا ہوا تو وہ سہم سی گئی۔ سارے راستے اس نے شیرے سے بات نہیں کی تھی۔ گھر آ کے وہ کپڑے بدل کر زینو کے پاس لیٹ کر چپ چاپ اس کی باتیں سننے لگی۔ شیرے کا انداز اور لہجہ اسے رہ رہ کر یاد آ رہا تھا۔

☆ ---- ❖ ---- ☆

"بڑی کمینی ہے۔۔۔ اتنے دن لگا دیے ویاہ کھانے میں۔" شادو ان کے آتے ہی چلی آئی تھی۔ وہ ابے اور بڑے بھائی کو روٹی دے کر شادو کو اندر لے آئی۔

"ہائے میرا دل تو بہت کر رہا تھا آنے کو‘ پر زینو کے جانے سے گھر خالی دیکھ کے وحشت ہوتی تھی۔" وہ خالص چڑانے والے انداز میں بولی لہجے میں خاصی حسرت بھی سموئی۔

"تو نہ مرتی ابھی بھی۔۔۔ پھر زینو نہ سہی اس کا بھرو جوان بھائی تو تھا گھر میں۔ اسی لیے تیرا جی لگ گیا تھا۔"

شادو کو اپنی بے قدری پر سخت غصہ آیا سو وہ بھی جان بوجھ کر بولی۔ بلو نے جھنجلا کر اس کے پراندے میں گندھی چٹیاں کھینچ لی۔

"ہائے۔۔۔ کمینی چھوڑ پراندا۔"

"آگے کوئی بکواس کرنے کی ضرورت نہیں۔ چوئی اکھاڑ کے ہتھ میں پکڑا دوں گی۔" بلو کے تیور جارحانہ ہو گئے۔

"بڑی ڈھیٹ ہے تو بلو۔ اللہ کرے شیرا تجھے چک کے لے جائے۔" شادو نے اپنی گدی سہلاتے ہوئے اسے بددعا دی تھی۔

"وہ اتنا ہمت والا نہیں ہے۔" بلو نے تمسخر اڑایا پھر ایکدم چپ کر گئی۔ ذہن کے پردے پر مہندی کی رات والا سین پوری آب و تاب کے ساتھ روشن ہو گیا۔ جس پر وہ آگ برساتا چہرہ لیے ان دو لڑکوں پر قہر ڈھا رہا تھا۔ اس کی ہمت اور غضب کا نظارہ کیے ابھی زیادہ دن تو نہیں ہوئے تھے۔

"ابھی تیرا یہ حال ہے‘ آگے پتا نہیں کیا کرے گی۔" شادو نے اسے گم صم پا کر شوخی سے کہا تو وہ گڑبڑا گئی۔ پھر فوراً" خود کو سنبھالتے ہوئے اسے گھورنے لگی۔ شادو نے فوراً" بات بدل ڈالی۔

"چل چھوڑ‘ یہ بتا کیسی لگ رہی تھی زینو؟ سچی مجھے تپ نہ چڑھا ہوتا تو میں بھی ضرور جاتی۔ اتنی چنگی سہیلی ہے میری۔" شادو کے انداز میں تجسس اور بے چینی پا کر بلو کا دھیان بھی پلٹ گیا۔

"رج کے روپ چڑھا تھا زینو پر۔ پہلے ہی اتنی سوہنی تھی۔ وہ دلہن بن کے تو شہزادی لگ رہی تھی۔"

وہ پوری تفصیل سے اسے شادی کے واقعات سنانے لگی۔ بیچ میں اس نے شیرے کی لڑائی والا قصہ خصوصاً" سنایا تھا۔

"سچی شادو۔ اس کا لال لال منہ دیکھ کے تو میرا دل کانپ کے رہ گیا تھا۔ اس نے ان دونوں کو اتنی مار لگائی کہ حد نہیں۔" وہ جھرجھری لے کے بولی۔

"ٹھیک کہتا ہے وہ۔۔۔ تو اس کی منگ ہے‘" چل اٹھ

توفیض مانتی تو عزت تو ہے نا اس کی خالہ کی دھی ہے‘ پھر مرد ایسے ہی ہوتے ہیں۔ زنانی کی عزت کے پیچھے ساری دنیا سے ٹکر لینے والے۔ جو کان لپیٹ کے رہ جائے وہ مرد نہیں کہلاتا۔" شادو کافی متاثر ہو کر بولی۔ تو بلو نے لاپروائی کا مظاہرہ کیا۔

"سارے مرد ایسے ہی ہوتے ہیں۔ زنانی پر کوئی آواز کسے تو یوں ہی بھڑکتے ہیں۔"

"نہ بلو۔۔۔ سارے ایسے نہیں ہوتے۔" شادو کے لہجے میں حسرت اتر آئی۔ "یاد ہے نا پچھلے میلے میں جد کسی لفنگے نے جان بوجھ کر مجھے ٹکر ماری تھی۔ تب نیتا بھی ساتھ تھا۔ بھرا تو مرنے مارنے پر تیار ہو گیا پر فیضے نے بات ہی ختم کردی۔ کہہ رہا تھا۔

"رہن دے بھائی فضل۔ خوامخواہ لڑائی بڑھا رہا ہے۔ ان شہدوں کا تو کام ہی یہ ہے۔ کس کس کو روکے گا۔ میرا دل جیسے کسی نے مٹھی میں دبا دیا تھا۔ کتنا دل چاہتا تھا میرا گھر والا ہی صحیح مرد ہو۔ مرد بہادر ہو تو زنانی کو اس کے ساتھ چل کے کتنا سکون اور سکھ ہوتا ہے۔ کتنا محفوظ سمجھتی وہ خود کو۔ اور فیضے جیسا مرد ہو تو وہ راہ چلتے ہوئے بھی دل میں خوف ہی پلتا رہتا ہے۔ آج کل کے زمانے میں شکرے بہت ہیں بلو اور کڑیاں تو معصوم چڑیوں جیسی ہوتی ہیں‘ ان کے ساتھ حفاظت کے لیے سر کے سائیں کو باز جیسا ہونا چاہیے۔ جو میلی آنکھ کو اندھا کر کے رکھ دے۔"

وہ حیرت و بے یقینی سے بے حال شادو کا یہ حیران کن روپ دیکھ رہی تھی۔ یہ وہی شادو تھی جو فیضے کی تعریفیں کرتے ہوئے نہیں تھکتی تھی۔ اس کی باتیں اترا اترا کر بتایا کرتی تھی۔ شادو کی آنکھیں گیلی ہو رہی تھیں۔

"اور وہ جو تو ہر وقت اس کی تعریفیں کرتی رہتی تھی؟" بلو بہ مشکل بولی۔

"تو اور کیا کروں۔ میرے نصیب میں لکھ دیا گیا ہے وہ دل مار کے زندگی گزارنا بہت مشکل ہوتا ہے بلو۔ اگر چنگا مرد مل جائے تو عورت کی زندگی سنور جاتی ہے‘ اگر نہ ملے تو ساری عمر کا رونا ہو جاتا ہے۔ حسرتیں دل میں پل پل کے سرطان بن جاتی ہیں۔ جس کے دل میں خود خوف ہو اس کی زنانی رات کو سکون سے کیسے سو سکتی ہے۔ سچی بلو مجھے لگتا ہے کہ میرا سر ننگا ہے۔ کوئی شیر جیسا ہوتا تو میں خود کو کتنا محفوظ سمجھتی۔"

وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بول رہی تھی۔ بلو کی سمجھ میں اس کی باتیں نہیں آرہی تھیں۔

"جھلی ہوگئیں ہے شادو تو۔۔۔ کوئی اور تو پسند نہیں آگیا تجھے؟ جو فیضے میں کیڑے نکال رہی ہے؟" وہ ایک ہی نتیجے پر پہنچ پائی تھی سو گھبرا کر بولی۔

"جھلی نہیں سیانی ہوگئی ہوں۔ میرے بھائی فضل کو دیکھ۔ کوئی آنکھ چک کے میرے یا بھرجائی کو دیکھے تو وہ اسے چیر پھاڑ کے رکھ دے اور فیضے میں تو یہ گل ہی نہیں۔ بندے میں کچھ تو غیرت ہونی چاہیے۔ وہ تو نرا بے غیرت ہے۔ چاہے اس کے سامنے مجھے کوئی چھیڑ کے رکھ جائے اس پر ذرا اثر نہیں‘ وہ کہتا ہے بے غیرت اور آوارہ بندوں کا کام ہی یہی ہے۔ کوئی اس سے یہ پوچھے کہ غیرت والوں کا کیا کام ہوتا ہے؟"

وہ خاصی برگشتہ ہو رہی تھی فیضے کی روش سے۔

"گل کو تو کدھر سے کدھر لے گئی ہے۔ دنیا کے سارے مرد اک جیسے نہیں ہوتے۔" بلو اکتا کر بولی تو وہ پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔

"تو نہیں سمجھے گی بلو۔ تجھے ابھی احساس ہی نہیں ہے ساتھ چلتا مرد اگر عزت کی خاطر دوسرے کے ٹوٹے کر دینے والا ہو تو عورت بہت محفوظ ہوتی ہے۔ ورنہ زنانی کو بازار میں سجانے والے تو ہزاروں ہیں بلو۔"

"شادو تھکے تھکے سے لہجے میں بولی۔ اس کا لہجہ اور باتیں بلو کو گھبراہٹ میں مبتلا کر رہی تھیں۔

"اچھا اب چھوڑ ان باتوں کو‘ چل ذرا رانو کی طرف چلتے ہیں۔ کتنے دنوں سے اسے تپ چڑھا ہوا ہے۔ اماں سے میں نے پچھ لیا ہے۔" بلو فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چل اب۔"

اس نے اسی انداز میں بیٹھی شادو کا بازو ہلاتے ہوئے جھنجلا کر کہا تو وہ گہری سانس لے کر اٹھ کھڑی

ہوئی۔

کافی دیر وہ رانو کے پاس بیٹھی رہی۔ آتی دفعہ شادو اپنی گلی میں گھس گئی' اس کا گھر بلو کے گھر کی سائیڈ پر تھا۔

وہ شام پڑنے کے خوف سے جلدی جلدی قدم اٹھا رہی تھی کہ ایک آواز نے اس کے قدم ٹھٹکا دیے۔

"کیا آپ مجھے ملک کریم بخش کے گھر کا پتا بتا سکتی ہیں؟"

اس نے مڑ کر پوچھنے والے کو انتہائی استعجاب سے دیکھا۔ اونچا لمبا پینٹ شرٹ میں ملبوس شہری مرد۔ ہاتھ میں وزنی سا بیگ اٹھائے کھڑا تھا۔

"ملک کریم بخش۔۔۔ حویلی ہے ان کی۔" وہ اس کے ٹھٹکنے اور جواب نہ دینے پر اسے سمجھانے والے انداز میں دوبارہ بولا تو وہ سنبھلی۔

"اتنا مشکل تو نہیں حویلی کا پتا۔ ہر اک کو معلوم ہے۔ کسی بھی گھر کی کنڈی کھڑکا کے پوچھ لو۔" وہ بڑی رکھائی سے جواب دے کر آگے بڑھی اور گھر میں داخل ہوگئی۔

عثمان ملک کتنی ہی دیر تک اسی زاویے سے کھڑا دیکھتا رہ گیا۔ اسے امید نہیں تھی کہ ہرنی جیسی لڑکی اتنی رکھائی سے بات کرے گی۔ پھر وہ شانے اچکا کر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے ناچاہتے ہوئے بھی اس چمک دار آنکھوں والی لڑکی کے کہنے کے مطابق ایک گھر کا دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔

☆ ---- ❖ ---- ☆

اماں محلے کے "سروے" کے لیے نکلی ہوئی تھی۔ بلو کے لیے وہ اپنی چادر کڑھائی کرنے کے لیے رکھ گئی تھی تاکہ فرصت پا کر وہ شادو کی طرف نہ نکل جائے۔ وہ کوفت زدہ بے زاری چادر لے کر بیٹھ گئی۔

"آپ چاہے سارا دن اپنی "سہیلیوں" میں گزار دے اسے پتا نہیں چلتا میری باری فٹافٹ دل کو کچھ ہونے لگتا ہے۔"

اس کی بڑبڑاہٹ جاری تھی جب بیرونی دروازے کی کنڈی کھٹکھٹانے کی آواز آئی۔ وہ الجھے ریشمی دھاگے کو سلجھاتی بے زاری سی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کوئی اک مصیبت تھوڑی ہے بلو کے لیے۔۔۔ اس وقت پتا نہیں کون آگیا۔"

"کون ہے۔۔۔؟" وہ آواز میں زمانے بھر کی بے زاری سمو کر اونچے لہجے میں پوچھنے لگی۔

"میں ہوں علی شیر۔۔۔"

اس نے گہری سانس لے کر کنڈی ہٹائی تھی اور شیرے کے اندر آنے سے پہلے ہی پلٹ گئی۔

"خالہ کدھر ہے۔۔۔؟" وہ کمرے کے دروازے میں کھڑا پوچھ رہا تھا۔

"محلے میں کہیں گئی ہے۔۔۔" وہ اپنے کام میں مصروف ہوتے ہوئے یوں بولی جیسے کہہ رہی ہو کہ اب جاؤ۔ مگر وہ گیا نہیں آگے بڑھ کے اس نے موڑھا گھسیٹا اور اس کے پلنگ کے قریب بیٹھ گیا۔

"کبھی تو دو گھڑی ڈھنگ سے بات کر لیا کر میرے ساتھ۔" وہ قدرے توقف کے بعد شاکی لہجے میں بولا تو بلو کے ہاتھ وہیں ساکت ہوگئے۔ پھر اس نے تیکھی نظروں سے شیرے کو دیکھا۔

"مجھے کیا بات کرنی ہے تیرے ساتھ؟"

"جتنے نخرے تیرے میں برداشت کرتا ہوں اور کوئی نہ کرتا۔" وہ اس کی سرکشی جانچتے ہوئے بولا تو وہ سلگ اٹھی۔

"ہنہ۔۔۔ تو نہ کیا کر۔۔۔ اور یہ نخرے کس بات کو کہہ رہا ہے تو؟"

"نخرے ہی تو ہیں۔ کبھی کسی کڑی نے اپنے منگیتر سے یوں گل نہیں کی ہوگی جیسے تو کرتی ہے۔ کاٹ کھانے والے انداز میں۔"

وہ لگ رہا تھا کہ غصے میں ہے۔ مگر اس کا انداز بلو کو غصہ دلا رہا تھا۔ وہ غصے سے بولی۔

"یونہی فضول باتیں نہ کر میرے ساتھ فیر کہے گا کہ۔۔۔"

"چل مٹی ڈال اس بات پہ۔۔۔" شیرے نے فوراً" مصالحت آمیز انداز اپنایا اور ہاتھ میں پکڑا شاپر اس کی طرف بڑھایا۔

digest library.com

"یہ میں شہر سے تیرے لیے لایا ہوں۔"

بلو نے شاپر پکڑنے کے لیے ہاتھ آگے نہیں بڑھایا۔ تیز لہجے میں بولی۔

"کیا ہے یہ۔۔۔؟"

"خود دیکھ لے۔۔۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرایا وہ گہری سانس لے کر شاپر کے اندر جھانکنے لگی۔ چوڑیوں کے خوب صورت دمکتے ہوئے سیٹ، پاز۔۔۔یب اور چمکتے ہوئے جھمکے۔

"یہ سب کیا اٹھا لایا ہے۔۔۔ اور میں یہ کیوں لوں گی؟" وہ ناک چڑھا کے رکھائی سے کہہ رہی تھی۔ شیرے نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا، اسے غصہ آگیا تھا۔

"کیوں۔۔۔ تو کیوں نہیں لے گی؟" وہ تیز لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ بلو نے استہزائیہ انداز میں اس کی لائی ہوئی چیزوں کو دیکھا۔

"یہ دس دس روپوں کی چیزیں لا کے تو میرا دل نہیں جیت سکتا۔"

ایک بم تھا جو اس کے قرب و جوار میں کہیں پھٹ پڑا تھا۔ چند لمحوں تک تو وہ کچھ کہہ ہی نہیں پایا۔

"یہ۔۔۔ کیا کہہ رہی ہے تو بلو۔۔۔؟"

حیرت تھی کہ ختم ہی ہونے میں نہیں آرہی تھی۔ وہ تو سمجھتا تھا کہ وہ اس سے چڑتی ہے، اس سے لڑتی ہے تو یہ بھی اس کی اک ادا ہے۔ پر وہ تو کچھ اور ہی کہہ رہی تھی۔

"دیکھ شیرے آج صاف صاف کہے دیتی ہوں۔ تو جو خواب دیکھ رہا ہے وہ چھوڑ دے۔۔۔ میں آج تک نہ تو خود کو تیری منگ سمجھا ہے اور نہ ہی تجھے اپنی منگ سمجھ۔"

وہ بہت بے دردی سے کہہ رہی تھی اور وہ ششدر سا اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"میرے بھی کچھ خواب ہیں، خیالات ہیں، خواہشیں ہیں، اک غریب کے گھر سے اٹھ کے میں دوجے غریب کے گھر نہیں جانا چاہتی۔ ذرا ذرا سی شے کے لیے ترسنا، اپنے من کو مار کے گزارا کرنا یہ سب میرے سے نہیں ہوتا۔ تجھے اس لیے پہلے ہی بتا رہی ہوں کہ تو اپنا کوئی اور بندوبست کر لے۔" وہ بڑی صفائی سے یہ بات کہہ گئی۔ شیرے کی خاموشی اسے شہ دے رہی تھی۔ وہ خاموش ہوئی تو جیسے فضا تھم گئی۔ شیرے کے دل و دماغ میں جیسے قہر اٹھا تھا۔ اس نے اٹھ کے بلو کے رخسار پر ایک ہاتھ جڑ دیا۔ اس کا چہرہ دوسری طرف گھوم گیا تھا۔ دماغ ایکدم صاف سلیٹ ہو گیا۔ اسے شیرے سے اس اقدام کی قطعی توقع نہیں تھی۔

"جو ہے سو ہے۔ دوجی باری میں نے تیرے منہ سے یہ باتیں سنیں تو زندہ زمین میں گاڑ دوں گا۔" وہ غراہٹ آمیز لہجے میں دھمکاتا دھپ دھپ کرتا چلا گیا۔

وہ ایکدم ہوش میں آئی تھی۔

"کتا۔۔۔ کمینہ۔۔۔ ذلیل۔۔۔"

اس نے چہرہ سہلاتے ہوئے رونا شروع کر دیا۔ جی چاہ رہا تھا کہ شیرے کو مار ڈالے۔

☆ ــــــ ❖ ــــــ ☆

شیرا اس روز کے بعد سے نہیں آیا تھا۔ اماں کئی بار تشویش کا اظہار کر چکی تھی۔ بلو کے اندر تو شیرے کا نام سنتے ہی آگ لگ جاتی تھی۔ مگر وہ کچھ بولتی نہیں تھی۔ اس نے اماں کے کانوں میں اس واقعے کی بھنک بھی نہیں پڑنے دی تھی۔

اماں نے اس کا صبح سویرے شادو وغیرہ کے ساتھ جا کر پانی لانا بند کر دیا تھا۔ بلو نے بہت احتجاج کیا تو اس نے صاف کہہ دیا۔

"تو وہاں باتیں کرنے بیٹھ جاتی ہے، یہاں تیرا پیو اور بھائی بھوکے بیٹھے رہتے ہیں۔ روٹی ٹکر پا کے پھر جایا کر۔"

اور وہ دل مسوس کے رہ گئی۔ ہر گل میں اماں اپنی ہی مرضی کرتی ہے۔

اور آج اسی پابندی کے نتیجے میں وہ اکیلی پانی بھرنے آئی تھی۔ شادو، جیوا اور رانو تو سویرے ہی پانی لے گئی ہوں گی۔ اس کے دل میں ہوک سی اٹھی تھی۔ روشنی کا ایک جھماکا سا ہوا تو وہ گھڑا چھوڑ کے سیدھی ہو گئی۔

کالی پینٹ اور نئی شرٹ میں اس روز والا نوجوان ہاتھوں میں کیمرہ لیے مسکرا رہا تھا بلو نے تیوریاں چڑھالیں۔

"میری تصویر لی ہے تو نے۔۔۔؟"

"ہاں لی ہے۔" وہ اطمینان سے بولا تو بلو تپ گئی۔

"کیوں؟ تجھے کیا تکلیف ہو رہی تھی۔ شرم نہیں آئی غیر کڑی کی فوٹو لیتے ہوئے۔"

وہ کیمرے میں سے تصویر نکال کر انگلی اور انگوٹھے کے درمیان دبائے لہرا کر خشک کر رہا تھا۔

"میں تو پانی کی تصویر لے رہا تھا تیرا اپنا قصور ہے تو خود ہی درمیان میں آگئی۔" وہ بڑی بے تکلفی سے اسی کے لہجے میں بولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ہنہ۔۔۔" وہ سر جھٹک کر بیٹھی اور گھڑے میں شفاف پانی بھرنے لگی۔ وہ دل چسپی سے اس کی مصروفیت دیکھ رہا تھا۔ اس کا مکھن ملائی جیسا روپ اسے بہت متاثر کر رہا تھا۔ چہرے پر معصومیت کی گہری چھاپ اور شفاف آنکھیں۔ اگر اس کا لباس مغربی ہوتا تو وہ پوری انگریز لگتی کیونکہ اس کے بالوں کا رنگ تانبے جیسا تھا۔ پہلی بار کوئی بھی اجنبی بلو کو دیکھتا تو ٹھٹک جاتا۔ مگر پھر اماں کو دیکھ کے ان کی حیرت دور ہو جاتی۔ اماں کشمیری خاندان سے تھی۔ سرخ و سفید رنگت اور سرمئی آنکھیں، بلو نے آدھا حسن اماں سے اور باقی قسمت سے پایا تھا۔

"یہ لے۔۔۔ تیری تصویر۔۔۔"

وہ پانی کا گھڑا بغل میں دبائے تیزی سے اس کے پاس سے گزرنے لگی تھی۔ جب اس نوجوان نے تصویر اس کی طرف بڑھائی وہ مجبوراً رک گئی۔

"یہ۔۔۔ اتنی جلدی کیسے آگئی؟"

اس نے تو کبھی نہیں دیکھا تھا کہ اتنی جلدی تصویر مل جاتی ہے۔

"یہ پولورائیڈ کیمرہ ہے۔ ایک سیکنڈ میں تصویر نکل آتی ہے اور دیکھو کتنی خوب صورت آئی ہے۔" وہ وضاحت کرنے کے بعد مسکرا کر بولا تو وہ تجسس آمیز انداز میں تصویر لیکر دیکھنے لگی۔

"ہاں۔۔۔" وہ حیران ہوئی تھی۔ "یہ میں ہوں۔۔۔؟" جھک کر گھڑے کو پانی میں ڈبوتی۔۔۔ وہ واقعی بہت خوب صورت تصویر تھی۔

"مانتی ہو نا۔۔۔ بڑا بہترین فوٹو گرافر ہوں۔ بہت سی لڑکیوں کو میں نے عزت، شہرت اور دولت دلوائی ہے۔" وہ تفاخر سے کالر کھڑکھڑاتے ہوئے بولا تو بلو کے کان کھڑے ہو گئے۔

"وہ کیسے۔۔۔؟"

"وہ ایسے کہ میں ان کی اتنی خوب صورت تصویریں بناتا ہوں کہ وہ راتوں رات مشہور ہو جاتی ہیں۔" وہ آسان الفاظ میں اسے بتا رہا تھا۔ بلو متاثر ہو گئی۔ حالانکہ اسے سمجھ بالکل نہیں آئی تھی کہ کیسے مشہور ہو جاتی ہیں وہ لڑکیاں۔ اس کی سوئی تو تو ایک ہی جگہ اٹک گئی تھی۔

عزت بھی ملتی ہے، شہرت بھی اور۔۔۔ اور دولت بھی پر ابا، بڑا بھائی اور اماں اس کے ذہن میں خطرے کا سگنل بجا تو وہ جلدی سے چل دی۔ وہ پیچھے سے اسے پکارتا ہی رہ گیا مگر بلو نے مڑ کے نہیں دیکھا۔

سارا دن اس کے دماغ میں اس شخص کی باتیں گونجتی رہتیں۔ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اس کا نام کیوں نہیں پوچھا۔ پھر اسے یاد آیا کہ وہ ملکوں کا مہمان تھا۔ رات کو سب کے سونے کے بعد بلو نے ٹرنک میں کپڑوں کے نیچے رکھی تصویر نکال کر جی بھر کے دیکھی تھی۔

تصویریں تو اس نے بھی ایک دفعہ بنوائی تھیں مگر اتنی خوب صورت اور اجلی رنگوں سے سجی نہیں ہوئی تھیں وہ۔

"کبھی مجھے بھی وہ مشہور اور دولت مند بنا دے۔"

اس نے حسرت سے خواہش کی تھی۔

ہو سکتا ہے کہ وہ اسے دوبارہ نہ ملتا تو اس کا یہ نیا دماغی خلل ختم ہو جاتا مگر اب اس شخص نے روزانہ اسی وقت ٹیوب ویل پر آنا شروع کر دیا، جب بلو پانی بھرنے جاتی تھی۔ اب وہ اس سے باتیں بھی کرنے لگا تھا۔

"بلو، یہ تیرا کام نہیں ہے۔ تو تو پری ہے، جو

digest library.com

پرستان کا رستہ بھول کے ادھر آنکلی ہے۔ دفع کر اس گندی زندگی کو۔ میرے ساتھ چل' راتوں رات رانی بنادوں گا۔"

وہ اسے شیطان کی طرح بہکاتا رہتا تھا۔ قطرہ قطرہ پانی مسلسل پتھر پر گرتا رہے تو اس میں سوراخ ہو جاتا ہے یہ تو پھر بھی بلو کا باغی اور بے ایمان سا دل تھا' کیوں نہ بہکتا۔

عثمان ملک نے اس کی ڈھیروں تصویریں اتاری تھیں۔ کھیتوں میں چلتے پھرتے' دوڑتے ہوئے ہوئے وہ ہرنی لگتی تھی۔

اب بھی وہ شلوار کے پائنچے تھوڑے سے اوپر اٹھائے پانی کے حوض کی منڈیر پر پانی میں ٹانگیں لٹکائے بیٹھی تھی۔ عثمان ملک اس کی تصویریں بنا رہا تھا۔

"اب بس کرو۔" وہ بڑے اتراہٹ آمیز لہجے میں بولی تو اس کے قریب آ بیٹھا۔

"قسم سے بلو۔۔۔ تیرے جیسا حسن تو میں نے آج تک تصویروں میں قید نہیں کیا۔ تو تو قیامت ہے۔" وہ اس کے سر سے پاؤں تک نگاہ ڈال کے بولا تو وہ سرخ ہو گئی۔

"خیر اب ایسی بھی گل نہیں۔۔۔" اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

"تو نہیں جانتی کیا شے تیرا انتظار کر رہی ہے۔"

"کیا۔۔۔؟" اس نے قاتلانہ انداز میں آنکھیں اٹھائیں۔ اتنے دنوں کی شناسائی رنگ لا رہی تھی۔ حجاب و حیا کے پردے سمٹتے جا رہے تھے۔ وہ اپنی بے وقوفی و سادگی کی وجہ سے عثمان ملک جیسے دلال کے ہاتھوں کھلونا بننے والی تھی۔ اس کا کام ہی یہ تھا۔ خود کو کسی مشہور ایڈورٹائزنگ ایجنسی کا فوٹو گرافر ظاہر کر کے اس نے کئی معصوم لڑکیوں کو ورغلا کر بے غیرتی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ شروع میں وہ انہیں بہت خوب صورت خواب دکھاتا' عزت' شہرت' اور دولت' راتوں رات مشہور ہونا ہر بے وقوف لڑکی کا خواب ہوتا تھا مگر جب انہیں راتوں رات مشہور ہونے کا اصل "تجربہ" ہوا تو اس کے بعد یا تو وہ زندگی کی قید سے رہائی پا گئیں یا کسی کوٹھے کی زینت بن گئیں۔

"تو قیامت مچا دے گی۔" عثمان ملک نے بڑی نرمی اور بے تکلفی سے اس کا ملائم سا ہاتھ سہلایا تھا۔ پہلے پہل بلو کو اس کی یہ بے تکلفی اچھی نہیں لگتی تھی مگر اب اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ عثمان ملک اس کے لیے سیڑھی کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ آوارہ نہیں تھی۔ اس کی سوچوں میں پاکیزگی تھی' اس نے یہی سوچا تھا کہ عثمان ملک اس سے سچی محبت کرتا ہے۔ کئی بار باتوں باتوں میں وہ ایسا اشارہ دے بھی جاتا تھا۔

"ساری عمر تجھے پلکوں پہ بٹھا کے رکھوں گا۔ تجھ سے تو میرا گھر روشن ہو جائے گا بلو۔"

"اور۔۔۔ تو اپنے گھر والوں کو کب؟" وہ اٹکی۔ وہ چاہتی تھی کہ عثمان ملک اب اسے بیاہ کر لے جائے تاکہ وہ کھل کر اپنی خواہشیں پوری کرے۔

"نہیں تو کر ہی لوں گا۔ تو بتا' اب تجھے کیا کرنا ہے' کیسے چلے گی شہر میرے ساتھ؟" وہ سنبھل کر بات بدل گیا۔

"شہر۔۔۔" وہ دھک سے رہ گئی۔ "یہاں نہیں فوٹو کھینچ سکتے؟"

"نہیں سب سے پہلے تو تجھے بیوٹی پارلر لے کر جانا ہو گا۔ اس کے بعد تیرے کپڑے' جوتے' زیور سب کچھ خریدنا پڑے گا۔ تیری مرضی اور پسند سے۔ اس کے بعد فوٹو کھینچی جائے گی۔"

"وہاں کیا ہو گا۔ بی ٹی پالر میں؟" وہ ہونق سی بولی تو عثمان ملک نے بے ساختہ قہقہہ لگا کر اس کے شانے پر بازو پھیلا لیا۔ وہ سمٹ کر پرے ہٹی تھی۔

"وہاں پر تیرا میک اپ ہو گا۔ تیری خوب صورتی کو اور سنوارا جائے گا۔ یوں سمجھ لے کہ ابھی تو چنگاری ہے پھر شعلہ بن جائے گی۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔ تو بلو پر سرشاری سی چھانے لگی۔ اک کیف و سرور نے پورے وجود کا گھیراؤ کر لیا۔

"تو سب مجھے کیسے پہچانیں گے؟" اسے فکر لگی۔

"ٹی وی پر دیکھیں گے تجھے تو سب پہچان لیں گے؟" وہ اس کے شوق کو اور بھڑکا رہا تھا۔

سارا دن وہ انہی خیالوں میں کھوئی رہتی اور راتوں کو خواب میں خود کو رانی بنا دیکھتی۔ سہیلیوں سے اب کترانے لگی تھی۔ وہ شادو جس کے بغیر وہ دوسرا سانس نہیں لیتی تھی اب کبھی خود بھی بلانے آتی تو وہ نہیں جاتی تھی۔ اماں خوش تھی کہ دھی سدھر گئی ہے۔ مگر دھی اپنی سادگی و بے وقوفی کے ہاتھوں جس طرح برباد ہونے والی تھی اس کی خبر اماں کو نہیں تھی۔

"تو کس گل کا انتظار کر رہا ہے جب شیرا مجھے بیاہ کر لے جائے گا تب تو بس ہاتھ ملتا بیٹھ کے۔"

وہ روز روز کی ملاقاتوں سے تنگ آ کے بولی و عثمان ملک نے اس کی چوٹی ہاتھ پر لپیٹی اور دوسرے ہاتھ سے اس کی ٹھوڑی اونچی کر کے اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

"تیری قسم' اب اور انتظار تو میرے سے بھی نہیں ہوتا۔ دن رات تیری کشش کھینچتی ہے مجھے اور کسی شیرے کی کیا مجال ہے جو تجھے بری نظر سے دیکھ بھی لے میں اسے زندہ نہ گاڑ دوں۔"

"اپنے "مرد" کی بہادری پر بلو کو بہت خوشی ہوئی تھی۔ اسے شادو کی باتیں یاد آنے لگیں۔ "مرد کو بہت بہادر ہونا چاہیے تاکہ عورت تحفظ محسوس کرے۔"

"اور میں ___ بھی تو تجھے ہی سوچتی ہوں۔ وہ نظریں جھکا کے بولی تھی۔ عثمان ملک کا دل پہلو میں پھڑپھڑا کے رہ گیا۔ وہ اس کے چہرے کے قریب ہو کر معنی خیزی سے بولا۔

"اس لیے تو کہتا ہوں کہ ان چھوٹی چھوٹی ملاقاتوں سے دل نہیں بھرتا۔ رات کو حویلی آجایا کر۔"

"میں تو آجاؤں پر اماں میرے ٹوٹے کردے گی۔ وہاں میری کوئی سہیلی بھی تو نہیں کہ اس سے ملنے کا بہانہ کر کے ہی آجاؤں۔"

محبوب کا بے قرار لہجہ بلو کو عجیب سا قرار دے گیا تھا۔ عثمان ملک کی نظروں اور الفاظ و خیالات کی گندگی اور غلاظت کا احساس کیے بغیر وہ بے چارگی سے بولی تھی۔

"یہ محبت تو نہ ہوئی نا۔ مجھے دیکھو' صرف تیرے لیے یہاں پڑا ہوا ہوں۔ ورنہ تو میرا اب یہاں کوئی کام نہیں ہے۔" وہ ناراض ہوا تو بلو کی جان پر بن آئی۔

"کل سے میں بہت دیر کے لیے آؤں گی۔" عثمان ملک کو منانا ایک مشکل مرحلہ تھا۔ وہ خائف سی ہونے لگی۔

"اگر وعدہ خلافی کی تو ___" وہ اس کی طرف جھکا اس کی گرم گرم سانسیں بلو کے چہرے سے ٹکرائیں' اس کی کسی جسارت سے پہلے ہی وہ تیزی سے پیچھے ہٹ گئی۔ دل کی دھڑکن بے قابو ہونے لگی۔

"میں چلتی ہوں اب ___ بڑی دیر ہو گئی ہے۔" اس کی رنگت شہابی ہو رہی تھی۔

وہ گھر پہنچی تو شیرے کو اماں کے پاس بیٹھا دیکھ کے اس کا دل کوفت و بے زاری سے بھر گیا۔

"یہ ٹیم ہے تیرا گھر آنے کا' دو گھنٹے ہو گئے ہیں تجھے ایک گھڑا بھرنے گئے ہوئے۔" اماں اسے دیکھتے ہی برسنے لگی تھی۔ اتنی بہادر اور نڈر تو تھی نہیں ویسے ہی دل میں چور تھا اس لیے وہ بوکھلا گئی۔

"وہ ___ میں اماں ___ راستے میں ماسی زینب ___ ہاں وہ مل گئی تھی' تجھے تو پتا ہی ہے کہ وہ کتنی باتیں کرتی ہے۔ بس اس نے ہی دیر کرا دی۔" وہ تیز تیز بولتی دھڑکتے دل کو سنبھالتی آگے بڑھ کے گھڑا رکھنے لگی۔

"تجھے تو ویسے ہی شوق ہے لمبی لمبی باتیں کرنے کا۔ پہلے سہیلیوں کا پیچھا مشکلوں سے چھوڑا اور اب راہ میں چلتے لوگوں کے ساتھ پینگیں بڑھانی شروع کر دی ہیں۔"

اماں ایک بار شروع ہو چکی تھی۔ قریب تھا کہ اس کی تقریر زور پکڑتی۔ شیرے نے اسے ٹوک دیا۔

"چل چھوڑ خالہ ___ اب کوئی مل جائے تو بات کیے بغیر تو نہیں چل دیتے۔ خیر ای اے۔"

اگر ویسے کبھی شیرا یوں اس کی حمایت میں بولی کے اسے اماں کے جلال سے بچاتا تو وہ اس کی بہت مشکور ہوتی مگر اب تو دل میں طوفان سا مچ گیا تھا۔ وہ تیزی سے سامنے آئی۔

digest library.com

"تیرا کوئی مطلب نہیں ہماری گل میں بولنے کا۔ تجھے کیا اماں مجھے جو مرضی کہے۔"

وہ بھونچکارہ گیا۔ اماں کو اس کی اس قدر بدتمیزی اور بدتہذیبی پر شدید غصہ آیا۔ اس نے اٹھ کر بلو کو دو چار ہاتھ جڑ دیے۔

"کمینی۔۔۔ شہدی۔۔۔ گل کرنے کی تمیز نہیں تجھے۔"

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ نہیں تمیز مجھے گل کرنے کی۔ یہ کون ہوتا ہے ہمارے گھر کے معاملات میں بولنے والا؟"

وہ بولتے ہوئے غرائی تھی۔ اس کا اشتعال شیرے کے اندر پچھتاوے کی لہر دوڑا گیا۔ اس دن اپنی حرکت پر بعد میں اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا رہا تھا۔ اماں نے اس کی چٹیا پکڑ کر جھٹکا دیا۔

"حرامخور۔۔۔ بے غیرت۔۔۔ بدزبانی کرتی ہے میرے سامنے۔"

شیرے نے تیزی سے اٹھ کر اماں کے ہاتھوں اس کی چٹیا آزاد کرانی چاہی۔ مگر وہ اور بھڑک اٹھی۔

"رہن دے۔۔۔ اگ تو لگالی ہے اب تماشا بھی دیکھ لے۔ خبردار جو ہمارے درمیان آیا۔ تو کچھ نہیں لگتا میرا۔"

"تو ہوتی کون ہے اسے خبردار کہنے والی۔ تجھے تو میں زندہ زمین میں گاڑ کے رکھ دوں گی۔" اماں کو تو گویا کسی نے جلتے توے پر بٹھا دیا تھا۔ اس کے ہاتھ بے دردی سے بلو کے جسم پر پڑ رہے تھے۔ شیرے سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

"خالہ بس کر اب۔۔۔ یہ تو جھلی ہو گی ہے۔ تو تو سیانی ہے۔" اس نے زبردستی اماں کو پکڑ کر پیچھے کیا تھا۔

"اس کا پاگل پن تو میں نکالتی ہوں۔ آلینے دے اس کے ابے کو۔ ہڈیوں کا سرمہ نہ بنوا دیا تو کہنا۔۔۔ جی کرتا ہے پھانسی لگا دوں اسے۔" اماں کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ دانت پیس کر بولی تو بلو چیخی۔

"چاہے زمین سے دو گز اوپر لٹکوا دے چاہے دو گز نیچے دبوا دے میں کبھی شیرے سے ویاہ نہیں کروں گی۔"

وہ پیر پٹختی دوڑ کے کمرے میں گھسی اور اندر سے کنڈی لگالی۔

"اللہ کرے موت آجائے تجھے بلو۔۔۔ ستیاناس ہو تیرا۔۔۔ پیدا ہوتے ہی تو کیوں نہیں مرگئی۔ آلینے دے فضل کو تیری زبان نہ کٹوادی تو فیر کہنا۔"

اماں کی گالیاں اور کوسنے جاری تھے۔ شیرا بہت بوجھل دل لیے اٹھا تھا۔

"خالہ میں جا رہا ہوں۔"

وہ سر جھکائے دروازے سے باہر نکل آیا۔

اس کے دل میں عجیب سا خالی پن پیدا ہو گیا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ بلو دولت کی بھوکی ہے۔ وہ یہی سمجھتا تھا کہ دوسری لڑکیوں کی طرح وہ بھی شرم و جھجک کے مارے اس سے کتراتی ہے، بات نہیں کرتی۔ مگر بلو کے الفاظ تو اس کے دل میں تیروں کی طرح گڑ کے رہ گئے تھے۔ اس کا دن رات کا سکون تلپٹ ہو گیا تھا۔ اس نے بچپن سے لے کر اب تک بلو کو اپنی ملکیت سمجھا تھا۔ اسی سے محبت کی تھی۔ مگر اب بلو کے خیالات واطوار نے اسے شیرے کی نظروں میں بہت چھوٹا کر دیا تھا۔ وہ بلو کو گاؤں کی تمام لڑکیوں سے علیحدہ سمجھتا تھا مگر وہ تو ان سے کچھ زیادہ ہی "الگ" نکلی تھی۔ وہ ٹھوکروں سے پتھر اڑاتا جبڑے بھینچے الٹی سیدھی سوچوں میں غرق ملکوں کی حویلی کی طرف مڑ گیا۔

☆ ـــــ ❖ ـــــ ☆

اماں نے نہ صرف رات کو ابے اور بڑے بھیا سے اس کی شکایت لگائی تھی بلکہ فضل نے تو اس کے دو چار ہاتھ بھی جڑے تھے۔ ابے نے بھی حسب توفیق اس کا ساتھ دیا تھا۔ اس سارے عرصے میں بلو کے دل میں شیرے کے خلاف صرف اور صرف نفرت ہی بڑھی تھی۔ اس کی سوچوں میں زہر گھل گیا۔

وہ چارپائی پر چت لیٹی آسمان پر بکھرے ستاروں کو گھور رہی تھی۔

"اس گھر میں میری کسی کو ضرورت نہیں۔ میں نے بہت سوچا تھا گھر سے نکل کیمیں ابے اور بھیا کا سر

نبھانہیں کرنا چاہتی تھی پر انہوں نے آپ مجھے مجبور کیا ہے۔ جب سوہنے رب نے میرے لئی دولت لکھی ہے فیر میں کیوں ایسے گھٹ گھٹ کے زندگی گزاراں۔"

اس کی سوچیں باغی ہو رہی تھیں۔ وہ جتنا سوچ رہی تھی اتنا ہی اس کا عثمان ملک کے ساتھ ہمیشہ کے لیے اس جہنم سے نکل جانے کا ارادہ زور پکڑ رہا تھا۔

اگلے روز ناشتا بنانے کے بعد وہ چپ چاپ گھڑا اٹھا کے دروازے کی طرف بڑھی تو اماں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ اب کچھ دنوں تک تو وہ کام کاج کو ہاتھ بھی نہیں لگائے گی۔ پر بلو کی خاموشی نے اماں کو پرسکون کر دیا۔

"اب آئی ہے اس کی عقل ٹھکانے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے بھوری کو چارہ ڈالنے کے لیے پچھواڑے کی طرف بڑھ گئی۔

عثمان ملک درخت سے ٹیک لگائے بیٹھا اس کی راہ تک رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی بے قراری سے اس کی طرف بڑھا۔

"اتنی دیر کر دی۔ میں کتنی دیر سے یہاں گرمی میں سڑ رہا ہوں۔"

وہ محتاط نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی گھڑا زمین پر رکھ کے اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"بس ذرا سی دیر ہو گئی۔" وہ مسکرائی۔

"نہ کیا کر بلو مجھے آزمانے والی حرکتیں۔ کسی دن میرا دل ہی نہ رک جائے۔" وہ بڑے جذباتی انداز میں بولا تو رات سے جلتے بلو کے دل کو جیسے کسی نے ٹھنڈے میٹھے پانی میں بھگو دیا۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے بے اختیار سر عثمان ملک کے شانے پر رکھا تھا۔

"تو مجھ سی بہت محبت کرتا ہے نا۔۔۔؟"

بلو کی از خود رفتگی اور اس قربت پر عثمان ملک کھل اٹھا اس نے فوراً اس کے گرد بازو کا گھیرا ڈال کے اسے خود سے اور قریب کیا تھا۔

"تجھے شک ہے میری محبت پر؟"

"تو پھر۔ مجھے لے جا یہاں سے۔ یہاں کسی کو میری ضرورت نہیں کسی کو مجھ سے محبت نہیں۔" وہ کربناک سوچوں میں ڈوبی سسک کر بولی تو عثمان ملک کے ہونٹوں پر شاطرانہ سی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ اس نے بڑی ملائمت سے بلو کے رخسار کو سہلایا تھا۔

"کل ہی کوئی نہیں میری جان۔۔۔ کل آجانا اسی وقت۔ میں گاڑی لے کے آؤں گا۔ پھر ہم ایک بالکل نئی زندگی شروع کریں گے۔" وہ بڑے خوابناک سے انداز میں بولا۔ تو بلو کا ننھا سا دل خوشی سے معمور ہونے لگا۔ وہ اس کے شانے پر سر ٹکائے بیٹھی تھی۔

اس وقت گاؤں کی عورتیں عموماً گھر کے کام کاج میں مصروف ہوتی تھیں اور اردگرد کی فصلوں کے کھیت تھے اس لیے وہ دونوں لوگوں کی نظروں سے محفوظ تھے۔ ویسے بھی قرب و جوار میں ملکوں کے کھیت تھے۔ اگر کوئی آ بھی جاتا تو شاید عثمان ملک کو دیکھ کے لوٹ جاتا۔

"سب سے پہلے ہم ویاہ کریں گے۔" بلو آنکھیں موند کر سرشاری سے مسکرائی تھی۔

"ہاں۔۔۔ سب سے پہلے تیرا ویاہ ہوگا۔" عثمان ملک نے معنی خیز لہجے میں کہا مگر وہ ہوش میں ہوتی تو کچھ سمجھتی۔ اس کا ذہن اونچی اڑانوں میں مگن تھا۔ جہاں وہ بیگم صاحبہ بنی نوکروں پر حکم چلا رہی تھی۔ عثمان ملک اس کی بے خودی دیکھ کر بے اختیاری پر اترا تو وہ ہڑبڑا اٹھی۔ فوراً اس کے ہاتھوں کو جھٹکا۔

"دیکھ بلو اب یہ بے رخی چھوڑ دے۔ ناراض ہو جاؤں گا میں۔ وہ ناراض سے لہجے میں بولا تو وہ ہنستی ہوئی اٹھ گئی۔ اس کی رنگت دمک رہی تھی۔

"دیر کیا ہے۔ کل تک انتظار کر لے۔ فیر تو میں تیری اور تو میرا ہوگا۔"

وہ گھڑے میں پانی بھرنے لگی۔

"اتنی جلدی کس بات کی ہے؟" وہ اسے روکنے پر مصر تھا۔ وہ سنجیدگی سے بولی۔

"دیکھ کل مجھے فیر آنا ہے۔ آج دیر ہو گئی تو کل اماں آنے نہیں دے گی۔"

"اچھا پھر یاد رکھنا۔ کل اسی وقت یہیں انتظار

کروں گا۔" وہ اسے یاددہانی کرا رہا تھا۔

وہ دل کی بے ترتیب دھڑکنوں کو سنبھالتی واپس پلٹ گئی۔ عثمان ملک درخت سے ٹیک لگائے کھڑا اس کی متوالی چال اور متناسب، قیامت خیز سراپے پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ اس کی آنکھوں میں ہوسناکی اور ہونٹوں پر شاطرانہ سی مسکراہٹ تھی۔

☆ — ❖ — ☆

ساری رات وہ جاگتی رہی تھی۔ دل میں اک عجیب سا خوف اتر آیا تھا۔ کئی کئی بار وہ اپنے سوچے ہوئے منصوبے پر غور کر رہی تھی۔ مگر عثمان ملک اس کے دل و دماغ پر ایسا جال بن چکا تھا کہ اسے کچھ اور سوجھ ہی نہیں رہا تھا۔

صبح اس نے جلدی جلدی بھوری کو چارہ ڈالا۔ دودھ دوہا، ناشتا بنایا، اور اس کے بعد جھاڑو اٹھا کر صفائی کرنے لگی۔ اس کے ہونٹوں پر گنگناہٹیں تھیں۔

اماں نے بے حد حیرت سے اسے دیکھا۔ اس روز اسے اس نے بلو کو بلایا تھا اور نہ ہی خود بلو نے اس سے بات کی تھی۔ پر اسے اطمینان تھا کہ اب وہ سدھر گئی ہے۔

سارا کام ختم کر کے وہ بڑی سرشاری سے گھڑے کی طرف بڑھی تھی۔ مگر تبھی خالہ، خالو، زینو اور اس کے شوہر کو دیکھ کر وہ جیسے زمین سے چپک کر رہ گئی۔ زینو ہنستی ہوئی اس کے گلے لگی تو اس کا سکتہ ٹوٹا تھا۔ وہ خالہ اور خالو سے ملی۔

"یہ سب کہاں سے آ گئے.... ہائے ربا، شیم ہی نہ نکل جائے۔" اس کے دل میں پکڑ دھکڑ ہو رہی تھی۔

"کیوں گھبرا رہی ہے تو بلو....؟" زینو نے اس کا شانہ پکڑ کے ہلایا تو وہ چونکی۔

"ہوں.... آں.... نہیں تو۔ تو بیٹھ نا۔"

اماں ان سب کو دیکھ کر خوشی سے نہال ہو رہی تھیں۔ زینو اپنے خاوند کے ساتھ پہلی مرتبہ آئی تھی، اس لیے اسے خصوصی توجہ مل رہی تھی۔ خالو نے مٹھائی کا ٹوکرا اٹھا رکھا تھا۔

"جی آیاں نوں.... میرا پتر آیا ہے۔" اماں نے زینو کے خاوند کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"بلو لسی پانی کا بندوبست کر اور آپاں حمیداں کے بیٹے کو بھیج تیرے ابے اور بھائی کو بلا لائے۔"

وہ جتنی جلدی اپنی جان چھڑانا چاہ رہی تھی۔ اتنا ہی لیٹ ہو رہی تھی۔ اس نے آپاں حمیداں کے بیٹے کو کھیتوں کی طرف دوڑایا اور اس کے دوسرے بیٹے کو بوتلیں لانے کے لیے کہا۔

"اماں! میں نے بوتلوں کے لیے کہہ دیا ہے۔ اب میں پانی بھر لاؤں جا کے؟"

وہ اماں کے کان میں منمنائی تھی۔ جواباً "اماں نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔

"ہم تو آج جواب لینے آئے ہیں۔ آ لینے دو بھائی کو آج تو میں شیرے اور بلو کے ویاہ کی تاریخ پکی کر کے ہی جاواں گی۔" خالہ کی بات پر بلو آنکھیں پھاڑ کے اسے دیکھنے لگی۔

"ہاں، ہاں کیوں نہیں۔" اماں مطمئن سی ہنس کر بولی، پر اس کے اندر تو جیسے ہلچل سی مچ گئی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہاں سے بھاگ جائے۔ مگر ابا اور بھائی آ گئے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد بوتلیں پی گئیں۔ اس کے بعد بلو اور شیرے کے بیاہ کی تاریخ طے کی جانے لگی۔ وہ زینو کے ساتھ دوسرے کمرے میں بیٹھی تھی۔ اس کا دماغ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے عاری ہو چکا تھا۔ زینو اس سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی۔ شیرے کی بے تابیاں سنا رہی تھی۔ مگر وہ جیسے بہری ہو گئی تھی۔ اسے ایک ہی خیال ستا رہا تھا۔ "عثمان ملک تو گڈی لے کر کھڑا ہو گا۔"

خالہ نے شگن کا سرخ دوپٹہ اس کے اوپر لا کر ڈالا تو وہ وحشت زدہ سی بیٹھی رہ گئی۔ سب ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے۔ ہنسی مذاق جاری تھا اس پر بلو کی دنیا جیسے اجڑ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے سیل جاری تھا۔ ہر بات الٹی ہو گئی تھی۔

☆ — ❖ — ☆

زینو اور اس کا خاوند دو دن رہ کے گئے تھے۔ بلو کو

عثمان ملک سے ملنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ وہ جب بھی پانی بھرنے گئی' نینو اس کے ساتھ تھی اور ساتھ اس کا خاوند بھی۔ عثمان ملک نے دور سے اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا تو وہ گھبرا کر نینو اور اس کے خاوند کو دیکھنے لگی مگر وہ ادھر ادھر کی باتیں کرتے آپس میں مگن تھے۔ وہ دل مسوس کر رہ گئی۔

"بلو! دروازہ بند کرلے میں ذرا بیسو کی اماں کو تیرے جوڑے سلائی کے لیے دے آؤں۔" اماں اسے آواز دے کر نکل گئی تھی۔

بلو کے ذہن میں چمک سی ابھری۔ وہ ادھ دھلے برتن چھوڑ کر اٹھی اور جلدی سے گھڑا اٹھا کر باہر نکلی۔ دروازے کو باہر سے کنڈی لگائی اور ادھر ادھر دیکھتی تیز تیز قدموں سے چلتی کھیتوں کے ٹیوب ویل کی طرف بڑھنے لگی۔ عثمان ملک وہاں موجود تو تھا مگر اکیلا نہیں اس کے ساتھ اسی جیسا ایک اور شہری مرد بھی تھا۔ وہ جھجک سی گئی۔

"یہ کوئی طریقہ نہیں ہے بلو۔ اتنے دنوں تک تو نے مجھے خوار کر کے رکھ دیا۔ میں روزانہ یہاں تیرا انتظار کرتا رہا ہوں۔"

عثمان ملک کے چہرے پر بلو کو دیکھ کر رونق سی آگئی۔ مگر وہ ناراضگی سے بول رہا تھا۔

"وہ... خالہ آگئی تھی... بس اسی لیے....."

اسے اس اجنبی کی نظروں کے جمود سے الجھن ہو رہی تھی۔ سرخ آنکھوں اور سانولی رنگت والا لمبا تڑنگا سا شخص بلو کو اچھا نہیں لگا تھا۔

"ان سے ملو۔ یہ ہمارے باس ہیں۔ یعنی مالک ہیں یہی تمہیں مشہور لڑکی بنائیں گے۔" وہ تعارف کروا رہا تھا۔ بلو نے سر ہلا کر اسے سلام کیا۔

"ہوں... تو یہ ہے بلو۔" اس شخص نے ہنکارا بھرا۔ وہ جانچتی نظروں سے جیسے بلو کے جسم کے آر پار دیکھ رہا تھا۔ وہ خائف ہونے لگی۔

"اوہوں... نیشں عثمان....." باس نے نفی میں سر ہلا کر بیزاری سے کہا۔ "یہ تو بالکل بھی ماڈرن نہیں ہے۔ اس میں شہری لڑکیوں جیسی کوئی بات ہی نہیں۔ یہ نہیں چل سکتی۔"

بلو کا دل جیسے کسی نے مسل کر رکھ دیا' اس نے متوحش نگاہوں سے عثمان ملک کو دیکھا۔ وہ خود بھی پریشان لگ رہا تھا۔ بلو کو رونا آنے لگا۔

"پر اب تو میں گھر چھوڑ آئی ہوں۔"

عثمان ملک نے معنی خیزی سے اپنے باس کی طرف دیکھا۔ تو اس نے آنکھ سے خفیف سا کوئی اشارہ کیا۔

"سر جی... اب دیکھیں نا یہ صرف میری خاطر اپنا گھر چھوڑ کے آئی ہے۔ اور اتنی خوب صورت لڑکی تو اس پورے گاؤں میں نہیں ہوگی۔" عثمان ملک کا لہجہ ایکدم سے چاپلوسانہ ہوگیا۔ وہ آگے بڑھ کے بلو کے پاس آیا اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اپنے باس سے مخاطب ہوا۔

"بس اس کو ذرا سا پالش ہونے کی ضرورت ہے۔ ورنہ تو اس کی خوب صورتی کی مثال نہیں ملتی۔ اس کا فگر دیکھیں آپ بلو یہ چادر تو ہٹاؤ۔"

عثمان ملک نے کہنے کے ساتھ ہی بلو کی چادر کا پلو پکڑ کر کھینچا تو وہ ششدر رہ گئی۔ اس کے اندر جیسے دھماکے سے ہونے لگے۔ اسے یوں لگا جیسے اسے بھرے بازار میں برہنہ کردیا ہو۔

"کیا جسم تو شہری لڑکیوں میں سے بھی کسی کا نہیں ہوگا۔ لاکھوں کمائے گی سر جی آپ اسے چانس دے کر تو دیکھیں۔"

عثمان ملک کی آواز اسے کنویں سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ آنکھوں میں اس قدر تیزی سے دھند اتری کہ سب کچھ دھندلانے لگا۔ وہ بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ دماغ میں آندھیاں چل رہی تھیں۔

"مگر کوئی تمہاری طرف میلی آنکھ سے دیکھے تو میں اس کو اندھا کردوں گا' زمین میں گاڑ دوں گا۔ کیونکہ تم میری عزت ہو' میں تم سے محبت کرتا ہوں۔" شیرے کا لہجہ اس کی سماعتوں میں پوری آب و تاب کے ساتھ گونجا تھا۔ اس کی سماعتیں پھٹنے لگیں۔

"ہوں۔۔۔" وہ شخص آگے بڑھ آیا۔ "ویری پریٹی۔۔۔ بہت غضب کا ٹکڑا ہے۔"

اس شخص نے بلو کی شانوں پر ہاتھ رکھے اور اس کا بھرپور جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ اس کی آنکھوں سے جھانکتی ہوسناک سی چمک بلو پر آگہی کا در وا کر گئی۔ اس نے تڑپ کر اس کے ہاتھوں کو جھٹکا تھا اور اپنی چادر فوراً اپنے گرد لپیٹی۔

"یہ ہے تمہاری محبت عثمان ملک۔۔۔ محبت کرنے والے تو میلی آنکھیں نکال کے رکھ دیتے ہیں۔ زندہ زمین میں گاڑ دیتے ہیں بری نیت والوں کو، پر تو کیسا مرد ہے جو اپنی ہونے والی زنانی کو دوسروں کے سامنے چادر اتار کے دکھا رہا ہے۔ تجھے حیا نہیں آتی۔" وہ زہرخندہ لہجے میں بولی۔

"اوہو بلو جان۔۔۔ یہ سب تو روز کی باتیں ہیں، شہروں میں تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہم لوگ اپنی بیویوں کو گھروں میں چھپا کے نہیں رکھتے عورت تو سیڑھی ہے ہماری شہرت کی، دولت کی کنجی ہے۔"

وہ کہہ رہا تھا اور بلو کے دل کو کوئی کچلتا جا رہا تھا۔

"خبردار جو کبھی یوں بن سنور کے نکلی تو، گھر میں نہیں بیٹھا جاتا تجھ سے، پتا نہیں جب اکیلی نکلتی ہوگی تو لوگ کن نظروں سے دیکھتے ہوں گے۔"

کبھی کسی نے بہت عزت اور مان بخشا تھا سے مگر اس نے بڑے تنفر سے اس عزت اور مان کو ٹھکرا دیا تھا اور جو اس کی محبت تھا، وہ اسے یوں نیلام کر رہا تھا۔ یوں اس کا معائنہ کروا رہا تھا جیسے وہ بیوپاری ہو اور بلو کوئی بکاؤ شے۔

"ذلیل۔۔۔ کتے، کمینے۔۔۔ اتنا گھٹیا ہے تو۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ ہنہ تھوکتی ہوں میں تیری دولت پر، شہرت پر۔" وہ حقارت سے اس کی طرف تھوکتی گھڑا اٹھا کر تیزی سے پلٹنے لگی۔ مگر اس سے پہلے ہی عثمان ملک اس کا بازو جکڑ چکا تھا۔ وہ اس کی گرفت میں لہرائی تو گھڑا گرفت سے چھوٹ کے نیچے گرا اور ٹوٹ گیا۔ بلو غرا کر اس پر جھپٹی تھی۔ اس کے نوکیلے ناخنوں نے عثمان ملک کے چہرے پر خراشیں ڈال دیں وہ بلبلا اٹھا۔ دوسرا شخص فوراً اس کی مدد کو بڑھا تھا۔ بلو نے چلانا شروع کر دیا۔

"کتیا، بھونکتی ہے۔" اس نے اتنی زور سے بلو کے منہ پر تھپڑ مارا کہ اس کا ہونٹ پھٹ گیا۔ اس کا چہرہ جھٹکے سے مڑ گیا تھا۔

"اسے گاڑی میں ڈالو اٹھا کے۔" وہ سرسراتے ہوئے لہجے میں عثمان ملک سے کہہ رہا تھا۔ بلو کی جان نکلنے لگی۔ اس نے بھاگنے کی کوشش کی مگر عثمان ملک نے اسے جکڑ لیا۔

"اب نہیں۔ اب تو راتوں رات تو مشہور ہوگی۔" وہ کریہہ انداز میں بولا تو وہ چیخنے لگی۔

"بلو۔۔۔ بلو۔۔۔" شیرے کی آواز ہوا کے دوش پر لہرائی اس کے کانوں سے ٹکرائی تو جیسے اس کے جسم میں کسی نے نئی روح پھونک دی۔

"شیرے۔۔۔" وہ زور سے چیخی تھی۔

"جلدی کرو عثمان۔۔۔"

وہ دونوں اسے گھسیٹ رہے تھے۔ مگر گاڑی تک پہنچنے سے پہلے ہی شیرا ان کے سر پر پہنچ گیا تھا۔

موجودہ صورت حال نے جیسے اس کے اندر آتش فشاں کا منہ کھول دیا۔ وہ سوچے سمجھے بغیر، درخت کی مضبوط لکڑی اٹھا کر ان دونوں پر پل پڑا۔

ایک تو گاؤں کے بے فکرے ماحول اور گھی مکھن پر پلے شیرے کے جسم میں ویسے ہی بڑی طاقت تھی، دوسرے اس وقت وہ شدید اشتعال کے زیر اثر تھا، جس نے اسے طوفان بنا دیا تھا۔ اس نے مار مار کر ان دونوں کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ لبوں سے مغلظات جاری تھیں۔

"مرد وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ چلتے ہوئے زنانی اپنے آپ کو محفوظ سمجھے۔ جو زنانی کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے والے کو اندھا کر دے۔ جو اس قدر غیرت مند ہو کہ بری نیت والوں کو چیر پھاڑ کے رکھ دے۔" وہ درخت سے ٹیک لگائے کھڑی کپکپا رہی تھی۔

"شیرے۔۔۔ شیرے۔۔۔"

اس نے لرزتی آواز میں بے اختیار شیرے کو پکارا تھا۔ وہ بے ساختہ مڑ کر اس کو دیکھنے لگا۔ اسی موقع کا

فائدہ اٹھا کر دونوں بھاگ اٹھے تھے۔ شیرے نے ان کا پیچھا کرنے کا ارادہ کیا مگر بلو کی دگرگوں حالت پر وہ جبڑے بھینچ کر دھول اڑاتی گاڑی کو دیکھتا رہ گیا۔ اس نے مٹی میں اٹی چادر اٹھا کر جھاڑی اور بلو کی طرف بڑھا۔

"پھر کبھی تو نے گھر سے باہر پیر نکالا تو جان سے مار ڈالوں گا تجھے۔" اس کے لہجے میں نرمی مفقود تھی۔ آگ برس رہی تھی، آنکھوں میں، جیسے خون اتر آیا تھا۔ پھر وہ چادر کے کنارے سے اس کے ہونٹوں کا خون صاف کرنے لگا۔

"کون تھے یہ۔۔۔؟"

"پتا۔۔۔ پتا نہیں۔ میں پانی بھرنے آئی تھی۔۔۔ اس نے۔۔۔ اس نے میرا۔۔۔ اس نے میرا گھڑا بھی توڑ دیا ہے۔"

"چل چھوڑ، بھول جا سب۔" شیرے نے اس کی حالت دیکھتے ہوئے بہ مشکل لہجہ نرم پڑ گیا اور چادر اس کے سر پر ڈال دی۔ وہ بے اختیار روتے ہوئے اس کے شانے سے لگ گئی۔

شیرے نے بڑی سہولت سے اسے پیچھے کیا تھا۔ وہ بری طرح رو رہی تھی۔

"شیرے۔۔۔ شیرے میں بہت بری ہوں۔۔۔ ہے نا۔۔۔ تجھے میں نے اتنا تنگ کیا ہے۔ اتنا ستایا ہے پھر بھی تو نے۔۔۔"

"اچھا چل بکواس نہ کر۔ تو میری منگ ہے، میری عزت ہے اور عزت گھر میں سجانے کے لیے ہوتی ہے۔ باہر رولنے کے لیے نہیں۔ چل جلدی سے، خالہ سے کچھ نہ کہنا۔"

وہ نرم گرم لہجے میں کہہ رہا تھا اور اس کا دل اندر ہی اندر رو رہا تھا۔

"میرے اللہ مجھے معاف کریں۔ تو نے آج میری عزت رکھ لی، میرا بھرم رکھ لیا۔ میرے سائیاں تو ہی سب کا والی وارث ہے۔ تیرا لکھ لکھ شکر ہے۔"

اس کا روم روم خدا کے حضور شکر کا طالب تھا۔

اسے اب شاہو کی ساری باتیں سمجھ میں آ گئی تھیں۔ اس نے بھیگی آنکھوں سے بڑے فخر اور مان کے ساتھ اپنے ساتھ چلتے "مرد" کو دیکھا۔ اور بے ساختہ ہنس دی۔ شیرے نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"جھلی تو نہیں ہو گئی۔"

وہ اس کے ساتھ چلنے لگی۔

"جھلی نہیں ہوئی شیرے، سیانی ہو گئی ہوں۔ تو تو میرے اتنے پاس تھا پھر میں تجھے پتا نہیں کیوں پہچان نہیں سکی۔"

وہ دل گرفتہ سے لہجے میں بولی۔ شیر ابھی اس بے ہودہ واقعے کو ذہن سے محو کرنے کے لیے ہلکے پھلکے لہجے میں بولا۔

"چل اب تو پہچان لیا نا؟"

"نہیں اب تو میں آنکھاں بند کر کے بھی لکھاں بندوں میں سے اپنے شیرے کو پہچان لوں گی۔ جس کی آنکھوں میں غیرت کی چمک اور دل میں عورت کا احترام ہے۔"

اس کے بھیگے لہجے میں پتا نہیں کتنی شدت تھی جس نے شیرے کو مسحور کر دیا۔ وہ ٹھٹکا۔

"مذاق نہیں کر رہی؟"

اس نے بلو کی آنکھوں میں جھانکا، جہاں آنسوؤں سے سرخی اتر آئی تھی۔

"تو چاہے تو کل بارات لے کے آ جا شیرے۔ تیرے پیار سے بڑھ کے کوئی دولت نہیں میرے لیے۔"

اس کے دل میں اک ٹیس سی اٹھی تھی۔ شیرے نے خوشی سے چور ہو کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"تو خوش ہے نا۔۔۔؟"

"ہاں شیرے۔۔۔ تو میرے لیے سوہنے تے سچے رب کی طرف دل نے تجھے اپنی آنکھوں سے پہچان لیا ہے۔"

وہ بڑے جذبات سے بولی۔ اب اس کے دل میں کوئی ڈر، کوئی خوف اور کوئی پچھتاوا نہیں تھا۔ وہ اپنے مرد کے ساتھ سر اٹھا کے بے خوف ہو کے چل رہی تھی۔ اسے علم ہو گیا تھا کہ "دم فضل دولت" کیا ہے۔

digest library.com